فہرس

باب اوّل:

عورتوں سے محبت

نام کتاب

دفاعِ سُنّت ﷺ

تالیف

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

تحقیق و تعلیق

حافظ شاہد محمود فاضل مدینہ یونیورسٹی

ملنے کا پتہ

Pakistan
Umm-ul-Qura Islamic University
Commissioner Road,
Fattomand, Gujranwala
Ph: 0333-8110896
0321-6417723

Coventry
Maktabah Ahlul Hadeeth
P.O Box 3070
Coventry CV6 5WL
England U.K
maktabah_ahlulhadeeth@hotmail.com

Madinah
Zulfiker Ibrahim Al-Memoni Al-Atharee
Islamic University
P.O Box 10133, Madinah
Kingdom of Saudi Arabia
Mob: (00966) (0)553462757
Tel: (00966) (04) 8283701
www.madeenah.com

Coventry *(Distributers)*
Islamic Bookshop Coventry
801 Foleshill Road
Foleshill
Coventry CV6 5WL
England U.K.
Mob: (0044) (0) 7970070578
Tel: (0044) (0) 2476-725881

کمپوزنگ .... عبدالقدوس

طبع اول .... مارچ 2008ء

تعداد 1100

قیمت ....

ناشر: ام القریٰ پبلی کیشنز

کمشنر روڈ فتومنڈ، گوجرانوالہ فون: 0333-8110896, 0321-6417723

باب دوم:

نبی علیہ السلام کا متعدد بیویوں کے پاس جانے کے بعد غسل کرنا

مُقدّمۃ

برصغیر پاک و ہند میں جن علماء نے اسلامی تعلیمات کی نشرواشاعت اور دفاع اسلام میں لازوال خدمات سرانجام دیں، ان میں شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے، برصغیر جیسے گوناگوں اور متنوع معاشرے میں جب بھی اسلام پر کوئی حملہ کیا گیا، تو مولانا امرتسری مرحوم دفاع دین کے لیے اسلامی لشکر کے ہراوّل دستے میں رہے اور مخالفین کے اعتراضات وشبہات کا منہ توڑ جواب دیتے رہے۔ مولانا امرتسری مرحوم کی دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع اور متنوع ہے، جہاں مولانا مرحوم اسلام کی تبلیغ اور نشرو اشاعت میں مشغول رہتے تھے، وہی اگر کسی نے اسلامی تعلیمات پر اعتراضات وشبہات وارد کیے، تو فوراً اس کا جواب دینے لگتے، اگر کسی جگہ پر مناظرہ ومباحثہ کی ضرورت پڑتی، تو مخالفین کو منہ توڑ جواب دے کر ان کا ناطقہ بند کردیتے۔ مولانا مرحوم نے دفاع دین میں جو خدمات جلیلہ سرانجام دیں، ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1. غیر مسلموں کی طرف سے وارد شدہ اعتراضات کا جواب۔
2. اسلام کی طرف نسبت رکھنے والے فرقوں کے پیدا کیے گئے اعتراضات وشبہات کا جواب۔

مولانا امرتسری مرحوم کے زمانے میں جن غیر اسلامی ادیان ومذاہب کے حامل لوگوں نے دین اسلام کو نشانہ بنایا، ان میں تین مذہب خصوصاً قابل ذکر ہیں:

۱۔ نصاریٰ ۲۔ آریہ سماج ۳۔ قادیانی امت

1. مولانا امرتسری مرحوم نے نصاریٰ کی طرف سے وارد کیے جانیوالے اعتراضات کے جواب میں نو (۹) کتابیں لکھیں۔
2. آریہ سماج کی طرف سے دین اسلام پر کیے جانے والے حملوں کے جواب میں تقریباً

پچاس (۵۰) کتابیں لکھیں۔

③ قادیانی مذہب کے پیدا کردہ اعتراضات وشبہات کے جواب میں تقریباً چالیس (۴۰) کتابیں لکھیں۔

ان مذاہب کے علاوہ کسی بھی دین ومذہب کے حامل انسان نے جب بھی اسلامی تعلیمات کو اپنے مضحکہ خیز اعتراضات کا نشانہ بنایا،تو مولانا امرتسری موحوم نے فوراً اس کا دندان شکن جواب دیا۔

علاوہ ازیں اسلامی فرق ومذاہب کی طرف سے بھی جب کبھی کتاب وسنت کے خلاف کوئی آواز بلند ہوئی،مولانا مرحوم نے اس کا بھی بھر پور جائزہ لیا اور انتہائی متانت وسنجیدگی کے ساتھ تمام شبہات کا ازالہ کیا۔

خدمات حدیث

مولانا امرتسری مرحوم نے دفاع دین کے باب میں جو مساعی جمیلہ سرانجام دیں،ان میں خدمت حدیث اور دفاع سنت نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔اگر آپ کے ہفت روزہ ''اہل حدیث'' کا تصفح کیا جائے،تو شاید ہی کوئی شمارہ ہو،جس میں خدمت حدیث اور دفاع حدیث وسنت کے سلسلہ میں کوئی تحریر نہ ملے۔

مولانا مرحوم کے زمانہ میں اہل قرآن اور منکرین حدیث وسنت کی سرگرمیاں زوروں پر تھیں،وہ لوگ طرح طرح کے اعتراضات وشبہات پیدا کر کے عامۃ الناس کے اذہان وقلوب کو متاثر کرنیکی کوششوں میں مگن تھے،لیکن مولانا مرحوم کے بر وقت تعاقب نے ان لوگوں کی تمام مساعی رذیلہ کو نیست ونابود کر دیا۔

مولانا امرتسری مرحوم نے دفاع حدیث میں مندرجہ ذیل تصانیف لکھیں:

1. دلیل الفرقان
2. حجیت حدیث اور اتباع رسول
3. خطاب بہ مودودی
4. حدیث نبوی اور تقلید شخصی
5. برھان القرآن
6. دفاع عن الحدیث

7. تفسیر بالروایة
8. بیان الحق بجواب بلاغ الحق
9. تصدیق الحدیث
10. صلاۃ المومنین
11. خاکساری تحریک اور اسکا بانی
12. برھان الحدیث باحسن الحدیث
13. کلمة الحق بجواب شرعة الحق

علاوہ ازیں مولانا مرحوم نے دفاع حدیث میں جو سینکڑوں مضامین اور مقالات اپنے اخبار ''اہل حدیث'' میں سپرد قلم کیے ہیں، اگر ان کو اکٹھا کیا جائے، تو کئی ضخیم مجلدات تیار ہو سکتی ہیں۔

ھفوات المسلمین

اگست ۱۹۲۲ء میں ایک رافضی اور بدعتی عقائد کے حامل مصنف کی طرف سے ایک کتاب ''ھفوات المسلمین فی تفضیح سید المرسلین وتقبیح امھا ت المومنین من کتاب المورخین والمفسرین والمحدثین'' شائع ہوئی، جس میں اس نے نبی علیہ السلام کی سیرت طیبہ، امہات المؤمنین اور صحابہ کرام کو ردوقدح اور طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا اور اس کا ذمہ دار احادیث نبویہ اور سنن صحیحہ کو ٹھہرایا۔ کتاب کے سرورق پر مصنف کا نام مع القاب یوں درج ہے:

> ''محقق ومدقق، واقف اسرار ملت، رہبر وجادۂ حقیقت، قدوۃ السالکین، زبدہ العارفین عالی جناب شاہزادۂ مرزا احمد سلطان صاحب مصطفوی چشتی خاور گورگانی''۔

کتاب کیا ہے؟ سب وشتم اور طعن وتشنیع کا ایک قبیح مرقع! مصنف نے کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے:

1. سیرت طیبہ پر اعتراضات
2. امہات المؤمنین پر اعتراضات
3. امام بخاری پر اعتراضات

ضربات المؤمنین

مولانا امرتسری مرحوم نے اپنے ہفت روزہ اخبار ''اہل حدیث'' میں قسط وار اس کا جواب لکھنا شروع کیا تھا، جس کی پہلی قسط یکم ستمبر ۱۹۲۲ء کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی اور اس سلسلہ کی آخری قسط ۱۶ اپریل ۱۹۲۸ء کے شمارہ میں شائع ہوئی، یہ اقساط کتاب مردود کے پہلے دو ابواب کے جواب پر مشتمل ہیں، مولانا مرحوم اس کتاب کا مکمل جواب لکھنا چاہتے تھے، اسی لیے آخری قسط کے آخر میں انہوں نے لکھا تھا: ''باقی دارد''، لیکن اپنے دیگر علمی و تبلیغی مشاغل کی بناء پر وہ اس کتاب کا آخری باب نہیں لکھ سکے، مولانا مرحوم نے کتاب مردود ''هفوات المسلمين'' کے نام کی مناسبت سے اپنے علمی رد اور تحقیقی جواب کا نام ''ضربات المؤمنين'' رکھا تھا۔ لیکن اس اشاعت میں کتاب کا نام '' دفاع سنت'' رکھ دیا گیا ہے، جس سے کتاب کے مشمولات اور موضوع پر روشنی پڑتی ہے۔

اسلوب تالیف

کتاب مردود ''هفوات المسلمين '' کے مصنف نے اپنی کتاب میں یہ منہج اختیار کیا تھا کہ پہلے حدیث ذکر کرتا اور بعد میں اپنے فہم فاسد اور عقل نارساں سے احادیث پر مضحکہ خیز اعتراضات وارد کرتا، اپنے تئیں مصنف نے یہ لکھنا چاہا ہے کہ اگر احادیث نبویہ پر ایمان لایا جائے، تو اس سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، امہات المؤمنین اور صحابہ کرام کی توہین لازم آتی ہے، جس کا واحد حل یہ ہے کہ احادیث کو تسلیم نہ کیا جائے۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اپنی تالیف میں مندرجہ ذیل منہج اور اسلوب اختیار کیا ہے:

① مولانا مرحوم سب سے پہلے معترض کے نزدیک قابل اعتراض حدیث ذکر کرتے ہیں اور بعد ازاں اسکے اعتراضات کو بالتفصیل نقل کرتے ہیں۔

② مولانا مرحوم نے بیشتر مقامات پر محل بحث حدیث نبوی کو اپنے الفاظ میں مختصر ذکر کیا ہے۔

③ بیشتر مقامات پر اعتراضات کو مولانا مرحوم نے معترض کے مکمل الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

④ حدیث نبوی پر اعتراضات نقل کرنے کے بعد مولانا مرحوم بالتفصیل اس کا جواب لکھتے ہیں اور اس کی خامیوں کو نقلی و عقلی اعتبار سے ہدف تنقید بناتے ہیں۔

⑤ مولانا مرحوم جواب میں سب سے پہلے محل بحث حدیث نبوی کا صحیح اور درست مطلب ذکر کرتے ہیں، بعد ازاں اس کی تائید وتقریر میں دیگر نصوص شرعیہ نقل کرتے ہیں، تاکہ حدیث پر ہونے والے اعتراضات کا مکمل ازالہ کیا جاسکے۔

⑥ مولانا مرحوم نے بیشتر مقامات پر جوابات میں قرآنی آیات سے استدلال واستشہاد کیا ہے، جس سے جہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن وسنت دونوں کا منبع ومرکز وحی الٰہی ہے، وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو اعتراض حدیث نبوی وارد کیا جائے گا، وہی اعتراض قرآن مجید پر وارد بھی وارد ہوسکتا ہے، مزید برآں چونکہ قرآن مجید فریق مخالف کے نزدیک بھی ایک مسلم دلیل اور مستند ماخذ ہے، لہٰذا قرآنی آیات سے احادیث نبویہ کی تصدیق وتائید کی صورت میں مخالفین پر حجت تمام ہوجاتی ہے۔

⑦ مولانا مرحوم نے کتاب میں معترض کی دیگر کتب سے ثابت کیا ہے کہ معترض ایک شیعی اور رافضی عقائد کا حامل انسان ہے، بناء بریں مؤلف رحمہ اللہ نے معترض کے جواب اور احادیث نبویہ کی تائید میں کئی شیعہ مصادر ومراجع سے بھی حوالہ جات نقل کیے ہیں، تاکہ معترض کو دندان شکن جواب دیا جاسکے، جس سے مؤلف رحمہ اللہ کی علمی وسعت اور جامعیت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

⑧ مولانا مرحوم نے جوابات میں کئی مقامات پر موقع ومحل کی مناسبت سے اشعار بھی ذکر کیے ہیں، جس سے مؤلف رحمہ اللہ کی زبان وادب پر گرفت اور ادبی مہارت ظاہر ہوتی ہے۔

⑨ مولانا مرحوم کا ایک نمایاں وصف جو انہیں ان کے دیگر معاصرین سے ممتاز کرتا ہے، ان کا متانت، وقار، سنجیدگی اور سب وشتم سے عاری لب ولہجہ ہے، جو ان کی تمام مؤلفات اور مناظرات میں کارفرما رہتا تھا۔ ''ھفوات المسلمین''، جیسی طعن وتشنیع اور سب وشتم سے لبریز کتاب کا جواب جس تحمل اور بردباری کے ساتھ مولانا نے لکھا

ہے،حق یہ ہے کہ یہ انہی کا کمال تھا،جس کی انہوں نے ازاول تا آخر پاسداری کی ہے۔

(10) مؤلف رحمہ اللہ نے مستند علمی مصادر ومراجع کو مدنظر رکھتے ہوئے جوابات تحریر کیے ہیں،خواہ اسلامی ماخذ ہو یا شیعی مصادر ومراجع،مولانا مرحوم نے ہر جواب ٹھوس حوالہ جات سے نقل کیا ہے،جو فریق مخالف کے نزدیک بھی مسلمہ ہیں،جس سے کتاب کی علمی،تحقیقی اور استنادی حیثیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔

مصادر ومراجع

مولانا امرتسری مرحوم ایک وسیع المطالعہ اور متنوع الصفات عالم دین تھے،جہاں وہ اسلامی علوم وفنون پر اتقان ورسوخ کے حامل تھے،وہی وہ مخالفین کی کتب مذہبیہ پر بھی گہری نظر رکھتے تھے،جس سے انہیں مخالفین کی علمی کمزوریوں کا ادراک ہوگیا تھا،بناء بریں وہ موقع ومحل کی مناسبت سے فریق مخالف کی کتب سے ہی ان کے خلاف دلائل پیش کیا کرتے تھے،جس سے جہاں ان کے اپنے مؤقف کی مضبوطی ظاہر ہوتی، وہی فریق مخالف کے دلائل کا ضعف واضح ہوجاتا۔

اسی طرح زیرنظر کتاب میں مذکورہ مصادر ومراجع پر اگر نظر ڈالی جائے،تو جہاں اس سے مولانا کی وسعت نظر پر روشنی پڑتی ہے، وہی اس سے کتاب کی علمی اور استنادی حیثیت کو بھی تقویت پہنچتی ہے۔ کتاب کی علمی اور تحقیقی حیثیت معلوم کرنے کے لیے اس میں استعمال کیے جانے والے مصادر ومراوجع انتہائی اہم ہوتے ہیں،،اگر کتاب میں موضوع سے متعلق ٹھوس اور اصلی مصادر سے مدد لی گئی ہے،تو اس سے کتاب کی علمی حیثیت مضبوط ہوجاتی ہے اور اگر کتاب میں کمزور اور غیر معتبر مراجع استعمال کیے گئے ہوں،تو اس سے کتاب کی استنادی حیثیت کمزور ہو جاتی ہے۔ چناچہ اسی اہمیت کے پیش نظر ذیل میں کتاب میں مذکور مصادر ومراجع ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ قرآن مجید ۲۔ صحیح بخاری ۳۔ صحیح مسلم

۴. ابو داود ۵. نسائی ۶. ابن ماجہ
۷. مسند احمد ۸. مشکوٰۃ ۹. تفسیر کبیر
۱۰. فتح البیان ۱۱. تفسیر لوامع التنزیل ۱۲. تفسیر صافی
۱۳. مجمع البیان ۱۴. فتح الباری ۱۵. مدارج النبوۃ
۱۶. اصول کافی ۱۷. فروع کافی ۱۸. کلینی
۱۹. استبصار ۲۰. ازالۃ الخفاء ۲۱. تاریخ الخلفاء
۲۲. شرح مواقف ۲۳. شرح مسلم الثبوت ۲۴. اغلاط المسلمین
۲۵. بوارق الالماع ۲۶. روضۃ الأحباب ۲۷. اشاعۃ القرآن
۲۸. ستیارتھ پر کاش

اسلوب تحقیق

① آیات کی نشاندہی، مولف رحمہ اللہ نے قرآنی آیات کو پارہ اور رکوع کے حوالے سے ذکر کیا تھا، حواشی میں تمام قرآنی آیات کو آیت نمبر اور سورت کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔

② احادیث کی تحقیق وتخریج، کتاب میں مذکور تمام احادیث کو کتب حدیث کے حوالے سے کتاب، باب اور حدیث نمبر کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے، بعض کتب کے صرف جلد اور صفحہ نمبر اور کچھ کتب کا صرف حدیث نمبر کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے، صحیحین کی احادیث کا صرف انہی دونوں کتب (بخاری، مسلم) کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے اور سنن اربعہ کی احادیث کے بعض دیگر کتب حدیث سے بھی حوالہ جات نقل کیے گئے ہیں۔

③ صحیحین کی احادیث کے علاوہ دیگر کتب سے منقولہ احادیث کی تصحیح وتضعیف میں محدثین کرام کے اقوال کو نقل کیا گیا ہے۔

④ کتاب میں مذکور آثار کی تحقیق وتخریج کی گئی ہے۔

⑤ بعض مقامات پر چند مطالب کے مزید ایضاح اور تفصیل کے لیے حواشی لکھے گئے ہیں۔

⑥ بعض مقامات پر مولف رحمہ اللہ کے کلام کی تقریر وتصویب میں مصادر ومراجع نقل کیے گئے ہیں۔

⑦ بیشتر مقامات پر کتاب میں مذکورہ مصادرورمراجع کی عبارات کا اصل کتب سے تقابل کیا گیا ہے۔

⑧ کتاب مردود "هفوات المسلمين" کا پنجاب یونیورسٹی سے فوٹو حاصل کر کے تمام منقولہ عبارات کا تقابل کیا گیا ہے۔

⑨ کتاب میں مذکور فارسی اشعار، بعض عربی عبارات اور مشکل الفاظ کا اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

⑩ کئی مقامات پر ذیلی عناوین کا اضافہ کیا گیا ہے۔

اظہار تشکر

سب سے پہلے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا مشکور ہوں کہ اس ذات بابرکت نے اس کتاب کو مطبوعہ شکل میں پیش کرنے کی سعادت عطا فرمائی، مولف رحمہ اللہ نے جب اس کتاب کو بالاقساط لکھنا شروع کیا، تو انہوں نے ۱۶ جنوری ۱۹۲۵ء کے شمارے میں اعلان کیا کہ اس جواب کو مکمل کر کے ان شاء اللہ کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا، لیکن آج بیاسی سال (۸۲) بعد مولانا مرحوم کی تمنا عہدہ برآں ہورہی ہے، سچ کہا اللہ تعالیٰ نے ﴿وَ كَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا﴾

علاوہ ازیں اس کتاب کی تکمیل وطباعت میں مندرجہ ذیل احباب نے تعاون کیا، جن کا میں انتہائی شکر گزار ہوں:

① محترم جناب ضیاء اللہ کھوکھر صاحب

جنہوں نے اس کتاب کی طرف میری رہنمائی کی اور اصل وکمپوز شدہ مسودہ میرے حوالے کیا اور حسب ضرورت اپنی لائبریری سے استفادہ کا موقع فراہم کیا۔

② فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

جنہوں نے اپنے قیمتی وقت اور علمی وتبلیغی مشاغل سے وقت نکال کر کتاب پر تقریظ

لکھی اور میری حوصلہ افزائی کی۔

④ محترم جناب عبدالرشید عراقی صاحب

جنہوں نے میری درخواست پر مولانا امرتسری مرحوم کے تفصیلی حالات مہیا کیے اور بعض مفید مشورہ جات سے میری رہنمائی کی۔

علاوہ ازیں جن بھائیوں نے کتاب کے طباعتی مراحل میں کسی مرحلہ پر بھی میرے ساتھ تعاون کیا، میں ان سب کا شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خدمت دین کے مزید مواقع مرحمت فرمائے، جو ہماری اخروی نجات کے لیے کافی ہوں۔ **یوم لاینفع مال ولابنون .إلا من أتی الله بقلب سلیم**

شاہد محمود

یوم الأحد، ۱۶ صفر، ۱۴۲۹ھ

بمطابق ۲۴۔ فروری/ ۲۰۰۸ء

Mob:03338110896

تقریظ

الحمد لله والصلاة والسلام علی رسوله،وبعد:

زیر نظر کتاب "دفاع سنت" مناظر اسلام،فاتح قادیان وفاتح جمیع مذاہب باطلہ،شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمه الله رحمة واسعة کی تالیف لطیف ہے،جو درحقیقت ایک کتاب بنام "هفوات المسلمين" کا علمی رد ہے،یہ کتاب "هفوات المسلمين" کسی شیعہ مؤلف کی تصنیف ہے،جس میں اس نے اپنے فہم فاسد سے بعض احادیث صحیحہ کی غلط تعبیر وتشریح پیش کی ہے اور "والإناء يترشح بمافيه" کے مصداق اپنے خبث باطن کے اظہار کی بھرپور کوشش کی ہے اور یوں وہ ذخیرۂ حدیث پر رد وقدح وارد کرنے کا مرتکب بن گیا ہے،حالانکہ اس تمام سعی لاحاصل کی اساس اوہام وشبہات کے سوا کچھ نہیں اور یہ تمام شبہات اھواء نفس اور شہوات نفس کے نتیجہ میں ابھرتے ہیں۔﴿في قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا﴾

یہ بات معلوم ہے کہ مرض شہوہ وشبہہ خطرناک ترین امراض میں سرفہرست ذکر کیے جاتے ہیں۔

اہل تشیع کی حدیث دشمنی کوئی نئی چیز نہیں ہے،ان کا چند صحابہ کرام کے علاوہ تمام صحابہ کرام کی تکفیر کا عقیدہ جن بہت سے اغراض فاسدہ اور مطالب سیۂ پر قائم ہے،ان میں سے ایک ذخیرۂ حدیث کا انکار بھی ہے،جو الحاد کی بدترین شکل ہے۔چنانچہ جب ان کے نزدیک خلفاء ثلاثہ ابوبکر،عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نیز عائشہ صدیقہ،طلحہ،زبیر،معاویہ،عمرو بن العاص،ابو عبد الرحمٰن بن عوف جیسے کبار صحابہ،نیز ابو ہریرہ،عبد اللہ بن عمرو،جابر رضی اللہ عنہم جیسے کثیر الروایۃ صحابہ مجروح قرار پائے اور صرف وہ صحابہ ان کی طعن وتشنیع اور نقد وجرح سے بچ سکے،جو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ولاء میں معروف ہیں،تو پھر بنا بریں ان کے طریق سے مروی

ثابت احادیث کے ساقط الاعتبار ہونے کا بہانہ ہاتھ لگ جائے گا اور یہ دین اسلام کے خلاف ایک انتہائی خطرناک سازش ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ تو شریعت مطہرہ کا مستقل ماخذ ہیں، بلکہ احادیث صحیحہ کی تشریعی حیثیت قرآن پاک جیسی ہے،رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه))

''خبردار! مجھے قرآن پاک دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ایک اور چیز جو قرآن جیسی ہی ہے''۔

ایک اور حدیث میں ارشاد مبارک ہے:

((وإنما حرم رسول الله مثل ماحرم الله))

یعنی جس چیز کی حرمت رسول اللہ کی حدیث سے ثابت ہو، وہ ایسی ہے جیسے کسی چیز کی حرمت اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے ثابت ہو۔

قرآن مجید جو کلام الرحمٰن ہے،کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے انتہائی جامعیت کے ساتھ اصولِ مسائل بیان کردیئے اور انکی تفصیل احادیث وسنن پر چھوڑدی اور وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی وحی ہے:

١۔ ﴿وأنزل الله عليك الكتاب والحكمة﴾

٢۔ ﴿كتٰب أحكمت آيٰته ثم فصلت من لدن حكيم خبير﴾

٣۔ ﴿إن علينا جمعه وقرآنه فإذا قرأناه فاتبع قرأنه ثم إن علينا بيانه﴾

٤۔ ﴿وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس مانزل إليهم﴾

مثلاً قرآن پاک نے ﴿أقيموا الصلاة وآتوا الزكوة﴾ کہہ کر نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دے دیا اور بیشتر احکام کی تفصیل سنت پر چھوڑ دی۔

﴿واتموا الحج والعمرة لله﴾ کہہ کر حج وعمرہ کا حکم دے دیا،لیکن طریقہء حج وعمرہ

اور تمام متعلقہ مسائل بالتفصیل احادیث نے بتلائے اور سمجھائے۔

﴿کُتب علیکم الصیام﴾ روزے کی فرضیت کی دلیل ہے، لیکن بیشتر احکام ومسائل احادیث سے حاصل ہونگے۔

﴿والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما﴾ فرمان کے ذریعہ چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری کر دیا ہے، لیکن متعلقہ احکام ومسائل کا بیان احادیث پر چھوڑ دیا، مثلاً ہاتھ کہاں تک کاٹنا ہے اور مال مسروق کی کتنی مقدار قطع ید کو واجب کرتی ہے، وغیرہ

﴿یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین﴾ آیات میں میراث کے تعلق سے کچھ احکام صادر فرمادیئے، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مورّث کی موت متحقق ہوجائے اور اس کا ترکہ بھی ہو، تو اس کا وارث بہرصورت ترکہ کا مستحق ہوگا، لیکن رسول اکرم ﷺ کے فرمان: «لایرث القاتل المقتول» یعنی وارث اگر اپنے مورّث کا قاتل ہو، تو اسے کچھ نہ ملے گا۔ اس حدیث نے ایک واضح حکم کے ذریعے بہت بڑے متوقع فتنہ اور فساد کبیر کے آگے بند باندھ دیا۔

احادیث مبارکہ قرآن پاک کے مجمل کا بیان وتوضیح ہیں، اگر ذخیرہ حدیث نہ ہوتا، تو قرآن پاک کے بیشتر احکام پر عدم توضیح وعدم فہم کی بناء پر عمل ممکن نہ ہوتا۔ تو پھر اس تفصیل کی روشنی میں انکار حدیث یا رکیک اور فاسد تاویلات کا سہارا لے کر رد احادیث اس دین کے خلاف بہت بڑی سازش ہے۔ یہ الحاد ہی کی ایک شکل ہے۔

''هفوات المسلمین'' کے مؤلف نے اس ناپاک اور مذموم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنے ہفوات کے ذریعہ اپنے خبث باطن کی ترجمانی کی ہے، لیکن ''ہر فرعونے راموسیٰ'' کے مصداق باطل کا قلع قمع کرنے والی ہستیاں ہر دور میں بتوفیق الله وفضله موجود ہوتی ہیں۔

''هفوات المسلمین'' نامی کتاب کی جہالتوں، مضحکہ خیز حماقتوں اور مذموم جسارتوں کا قلع قمع کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کو

مرحمت فرمائی، جن کا علم، تقویٰ، مناظرہ اور روانی وجولانی قلم کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ آپ کا علمی تعاقب ومحاسبہ کتنا نفیس، مدلل اور باوقار ہے۔ فرحمه الله رحمة واسعة ورضی عنه وأرضاه!

اللہ تعالیٰ اس سسکتی ہوئی اور گمراہی کے کنارے پر کھڑی امت کے سروں پر علمائے حق کا وجود قائم ودائم رکھے، تاکہ خیر خواہی اور راہ نمائی کا عمل جاری رہے۔

اللہ رب العزت اس گرانقدر کتاب کی طباعت کے حوالے سے محترم بھائی حافظ شاہد محمود صاحب کی گرانقدر مساعی کو قبول فرمائے اور ہم سب کو علم نافع اور عمل صالح جیسے پیارے منہج پر قائم رہنے اور چلتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه وصلي الله وسلم علي نبيه محمد وعلي آله وصحبه وأهل طاعته أجمعين۔

فضیلۃ الشیخ
عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
کراچی

شیخ الاسلام
مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

از:.....عبد الرشید عراقی

کسی مذہبی رہنما یا کسی سیاسی لیڈر کی سوانح حیات مرتب کرنے کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس نے جو عظیم دینی، مذہبی، ملی وقومی، اصلاحی اور سیاسی خدمات اپنی زندگی میں انجام دیں، ان کی واضح تصویر عوام کے سامنے لائی جائے اور نئی نسلیں ماضی میں اپنے اسلاف کے حیات آفریں کارناموں سے واقفیت حاصل کر کے اپنے مستقبل کے لیے ایک ٹھوس لائحہ عمل اختیار کریں۔ جب ہم کسی ہمہ گیر شخصیت کے حالات اور اس کے کارناموں پر نظر ڈالتے ہیں، تو اچانک پوری تاریخ سامنے آجاتی ہے یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب ہم کسی قوم کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیں، تو اس وقت اس قوم کی اہم شخصیات ایک ایک کر کے سطح ذہن پر آجاتی ہیں، اسی طرح ملتوں اور جماعتوں کی تاریخ کا حال ہے۔

جب ہم تاریخ دیو بند پر نظر ڈالتے ہیں، تو فوراً ہمارے سامنے مولانا محمود الحسن، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد انور شاہ کشمیری اور علامہ شبیر احمد عثمانی کی تصویریں سامنے آجائیں گی، جب ہم علامہ شبلی نعمانی، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبد السلام ندوی کا تذکرہ کریں گے، تو دار المصنفین اعظم گڑھ کی مکمل تاریخ ہمارے سامنے آجائے گی۔ جب ہم ندوۃ المصنفین دہلی کے علمی کارناموں کو اپنے سامنے لائیں گے، تو مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مفتی عتیق الرحمن عثمانی اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی علمی و دینی خدمات کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجائے گا، جب جماعت اسلامی کا تذکرہ آئے گا، تو مولانا سید مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی کا تصور ذہن میں آجاتا ہے، مجلس خلافت کی جب

تاریخ بیان کی جائے گی، تو مولانا محمد علی اور مولانا شوکت کی مساعی اور خدمات جلیلہ کا خاکہ نظروں میں آجانا ضروری ہے جب جامعہ ملیہ دہلی کی عظیم دینی و علمی خدمات کا ذکر کیا جائے گا، تو مولانا محمد علی، مسیح الملک رحمہ اللہ حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے نام نظروں کے سامنے آجائیں گے ۔۔ جب مجلس احرار پنجاب کا تذکرہ کیا جائے گا، تو مولانا ظفر علی خان، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور شیخ حسام الدین سامنے آجاتے ہیں، اسی طرح مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی اور حضرت العلام مولانا حافظ عبد اللہ روپڑی رحمہ اللہ کا نام سنتے ہی فوراً جماعت اہل حدیث کا ایک عریض وبسیط نقشہ سامنے آجاتا ہے اور ساتھ ہی مسلک و جماعت اہل حدیث سے وابستہ اکابرین سلف کی طویل تاریخ اور ان کی بے لوث دینی و علمی، مذہبی، قومی و ملی اور سیاسی خدمات کا گویا اُمڈتا ہوا سیلاب ذہن تصور میں آجاتا ہے اور کچھ دیر کے لیے انسان خاموش تصورات کی دنیا میں گم ہوجاتا ہے اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ

وہ لوگ کہاں چلے گئے ہیں

تاریخ اہل حدیث کا ایک معتدبہ حصہ شیخ الاسلام مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری کی دینی، مذہبی، علمی، ادبی، تصنیفی، ملی وقومی اور سیاسی خدمات کا رہین منت ہے، آپ کی خدمات جلیلہ کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، آپ کی خدمات امت مسلمہ کے لیے منفرد و ممتیز ہیں۔

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ اپنے وقت کے بلند پایہ عالم دین، مفسر قرآن، محدث دوراں، مورخ، محقق، دانشور، نقاد، مبصر، ادیب، خطیب، مقرر، معلم و متکلم، صحافی اور بہت بڑے سیاستدان اور مصلح تھے اور فن مناظرہ میں تو امام تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات چودھویں صدی ہجری میں بے مثال و بے نظیر تھی، ایسی باکمال ہستیاں گاہے بگاہے پردۂ عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہیں، آپ علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق تھے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا امرتسری برصغیر (پاک و ہند) کے یگانہ روزگار وفقید المثال فرزند توحید تھے، اسلامی محاذ پر آپ ہی کی ہستی سپہ سالار کے روپ میں نمایاں ہوتی تھی اور مذہبی اسٹیج پر آپ کا کوئی ہم پلہ نہ تھا، اسلام اور کفر کے تصادم، نور وظلمت کی آویزش، اور حق وباطل کے معرکہ میں آپ ہی کی فتح یابی وکامرانی کا ڈنکا بجا کرتا تھا۔

آپ مجاہد وقت بھی تھے اور مرد مومن بھی، غرضیکہ بہت سی خوبیاں تھی آپ کی ذات گرامی میں۔ شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری نے ۱۳۱۰ھ بمطابق ۱۸۹۲ء میں دینی علوم سے فراغت پائی اور اپنی علمی زندگی کا آغاز دینی علوم کی تدریس سے کیا، مدرسہ **تائید الاسلام** امرتسر سے آپ نے دینی علوم کا آغاز کیا تھا اور فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں آپ نے تدریس کا آغاز کیا، مولانا امرتسری جب علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد واپس امر تسر تشریف لائے، تو اس وقت ملک میں تین گروہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف سر گرم عمل تھے: ۱۔عیسائی ۲۔آریہ ۳۔قادیانی

مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

> ”کان پور سے فارغ ہوتے ہی اپنے وطن پنجاب پہنچا، مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں کتب درسیہ نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوا، طبیعت میں تجسس زیادہ تھا، اس لیے ادھر ادھر ماحول کے مذہبی حالات دریافت کرنے میں مشغول تھا، میں نے دیکھا کہ اسلام کے سخت بلکہ سخت ترین مخالف عیسائی اور آریہ دو گروہ ہیں، انہی دنوں قریب میں قادیانی تحریک پیدا ہو چکی تھی، جس کا شہرہ ملک میں پھیل چکا تھا، مسلمانوں کی طرف سے اسکے دفاع کے علمبردار مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم تھے، میری طبیعت طالب علمی ہی کے زمانے میں مناظرات کی طرف بہت راغب تھی، اس لیے تدریس کے علاوہ ان تینوں (عیسائی، آریہ، قادیانی) کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا، بفضلہ تعالیٰ میں نے کافی واقفیت حاصل کر لی، ہاں اس میں شک نہیں کہ ان تینوں

مخاطبوں سے قادیانی مخاطب کا نمبر اول رہا، شاید اس لیے کہ قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہوگی، جس کی بابت مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تو شاید یہ شعر پڑھتے ہوں گے:

آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

(اہل حدیث امرتسر، ۲۲ جنوری ۱۹۴۲ء)

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے ان تینوں مخالف اسلام گروہوں کے خلاف جو تحریری خدمات انجام دیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ تردید عیسائیت: ۹ ۲۔ تردید آریہ: ۵۰ ۳۔ تردید قادیانیت: ۴۱

تردید عیسائیت

عیسائیت کی تردید میں مولانا امرتسری کی تصانیف کی تعداد نو (۹) ہے، مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

''دوران تلاش میں سب سے پہلی قابل توجہ کتاب پادری ٹھاکردت کی تصنیف ''عدم ضرورت قرآن'' نظر آئی، جس کے جواب میں مَیں نے کتاب ''تقابل ثلاثہ'' (توراۃ، انجیل، قرآن کا مقابلہ) لکھی، جو ملک میں شائع شدہ ہے، عیسائیوں کی کتاب ''عدم ضرورت قرآن'' کے جواب کے علاوہ میں نے متعدد کتابیں انکے جواب میں لکھیں، جن کے مجموعے کا نام ''جوابات نصاریٰ'' ہے، سب سے آخر میں عیسائیوں کے جواب میں وہ کتاب ہے، جس کا نام ہے: ''اسلام اور مسیحیت''، عیسائیوں کی طرف سے اسلام کے خلاف تین کتابیں بطرز جدید شائع ہوئی تھیں، جن کے نام یہ ہیں:

1. عالم گیر مذہب اسلام ہے یا مسیحیت؟
2. دین فطرت اسلام ہے یا مسیحیت؟

◆ اصول البیان فی توضیح القرآن

ان تینوں کتابوں کے جواب میں'' اسلام اور مسیحیت'' لکھی گئی اور شائع ہوئی، جس نے اسلامی جرائد سے خراج تحسین حاصل کیا۔'' (اہلحدیث امرتسر، ۲۴ جنوری ۱۹۴۲ء)

تردید عیسائیت میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

۱۔ تقابل ثلاثہ ۲۔ توحید، تثلیث اور راہ نجات ۳۔ جوابات نصاریٰ

۴۔ مناظرہ الہ آباد ۵۔ اسلام اور مسیحیت ۶۔ تفسیر سورۂ یوسف اور تحریف بائیبل

۷۔ کلمہ طیبہ ۸۔ اسلام اور پالی ٹیکس ۹۔ اسلام اور برٹش لاء

تردید آریہ

تردید آریہ سماج میں مولانا امرتسری نے جو کتابیں تصنیف کیں، ان کی تعداد پچاس (۵۰) ہے۔ اس بارے میں مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

''اسی اثناء میں آریوں نے کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' کا اردو ترجمہ شائع کیا، جس کے چودہویں باب میں قرآن مجید پر ایک سوانسٹھ (۱۵۹) اعتراض ہیں، ہر ایک اعتراض کے ضمن میں کئی کئی اعتراض ہیں، کتاب'' ستیارتھ پرکاش'' کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کا مکمل جواب دیا جائے۔ حسب قول حافظ شیرازی رحمہ اللہ:

''قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند''

میں نے اس کے جواب میں کتاب'' حق پرکاش''، لکھی، جوکہ بفضلہ تعالیٰ ایسی مقبول ہوئی کہ اس کے بعد کسی فرقے کے کسی عالم نے'' ستیارتھ پرکاش'' کے جواب کے لیے قلم نہیں اٹھایا۔ ذلك من فضل الله!

اس کے بعد ایک مسلم عبد الغفور نامی (نو آریہ دھرم پال) نے رسالہ'' ترک اسلام'' لکھا، اس کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو بہت بے چینی ہوئی، میں نے فوراً اس کا جواب ''ترک اسلام'' شائع کر دیا، جس سے مسلمانوں کو اس قدر قلبی

راحت ہوئی، جتنی جون میں افطار کے وقت ہوتی ہے، (خدا قبول کرے) اس کے بعد آریہ کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی، جس کا نام ''کتاب اللہ وید ہے یا قرآن؟'' اس کے جواب میں مَیں نے ''کتاب الرحمن'' لکھی، ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے کہ آریوں نے ''رنگیلہ رسول'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر ناپاک حملے کیے گئے، جس کی وجہ سے ملک میں اس سرے سے اس سرے تک آگ لگ گئی، متوالے پھرتے تھے کہ یہ کیا اندھیرا ہے کہ ذات اقدس صفات پر ایسے حملے ہو رہے ہیں، کیا وجہ ہے کہ کوئی عالم جواب نہیں دیتا، بقول ع

بلائیں زلف جاناں کی۔ اگر لیں گے تو ہم لیں گے

اسکے جواب میں مَیں نے ''مقدس رسول'' لکھی، بفضلہ تعالیٰ یہ بھی ایسا مقبول ہوا کہ اس کے بعد کسی عالم نے ''رنگیلا رسول'' کے جواب میں قلم نہیں اٹھایا، کیونکہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی، نہ آریوں نے اس کا جواب الجواب دیا۔''

(اہل حدیث امرتسر، ۲۲ جنوری ۱۹۴۲ء)

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے آریوں کی تردید میں جو کتابیں لکھیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔حق پرکاش، ۲۔ کتاب الرحمٰن، ۳۔ تُرک اسلام، ۴۔حدوث وید، ۵۔مباحثہ دیوریا، ۶۔شادی بیوگان اور نیوگ، ۷۔حدوث دنیا، ۸۔الہام، ۹۔رکوب السفینہ فی مباحثۃ النگینہ، ۱۰۔سوامی دیانند کا علم وعقل، ۱۱۔نماز اربعہ، ۱۲۔تغلیب الاسلام (۴ جلد)، ۱۳۔القرآن العظیم، ۱۴۔مرقع دیانندی، ۱۵۔رجم الشیاطین بجواب اساطیر الاولین، ۱۶۔ تبرا سلام، ۱۷۔ بحث تناسخ، ۱۸۔ ثمرات تناسخ، ۱۹۔قرآن اور دیگر کتب، ۲۰۔ جہاد وید، ۲۱۔باعث سرور درمباحثہ جبل پور، ۲۲۔ فتح اسلام یعنی مناظرہ خورجہ، ۲۳۔محمد رشی،

۲۴۔الہامی کتاب،۲۵۔مقدس رسول،۲۶۔ثنائی پاکٹ بک،۲۷۔نکاح آریہ، ۲۸۔اصول آریہ،۲۹۔ہندوستان کے دو ریفارمر،۳۰۔تحریف آریہ،۳۱۔مجموعہ رسائل بوید وقرآن،۳۲۔تعلیم الاسلام،۳۳۔الفوز العظیم،۳۴۔آریوں کے علماء سے ۲۵ سوالات اور ان کے فوری جوابات،۳۵۔ہندوآریہ اور مولانا امرتسری،۳۶۔مباحثہ نابھن،۳۷۔اظہار حق،۳۸۔ایشور بھگتی،۳۹۔مباحثہ گوشت خوری،۴۰۔کتاب رواج، ۴۱۔آریہ دھرم کا فوٹو، ۴۲۔حدوث مادہ، ۴۳۔ثبوت قربانی گاؤ،۴۴۔ویدکا بھید، ۴۵۔وید اور سوامی دیانند، ۴۶۔شدھی توڑ،۴۷۔ابدی نجات،۴۸۔ویدک ایشور کی حقیقت، ۴۹۔اخبار مسلمان۔

تردید قادیانیت

قادیانی تحریک کے خلاف مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کی خدمات جلیلہ کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا،آپ نے قادیانی فرقہ کے بانی کو اتنا زچ کیا کہ اس نے تنگ آکر ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار شائع کیا،جس کا عنوان تھا:

"مولوی ثناءاللہ کے ساتھ آخری فیصلہ"

اس میں مرزا قادیانی نے لکھا:

"مولوی ثناء اللہ نے مجھے بہت بدنام کیا،میرے قلعے کو گرانا چاہا وغیرہ،اس لیے میں دعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے، وہ سچے کی زندگی میں کسی وبائی بیماری سے ہلاک ہوجائے"۔

کوئی خاص وقت تھا جب یہ دعا مرزا صاحب کے منہ سے نکلی اور اس اشتہار کے ایک سال،ایک ماہ اور بارہ دن بعد مرزا صاحب لاہور میں اپنے میزبان کے بیت الخلاء میں ہیضہ کی بیماری سے دم توڑ گئے۔(تاریخ وفات:۲۶مئی ۱۹۰۸ء)

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ نے ۴۰ سال بعد پندرہ مارچ ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں رحلت فرمائی۔

قادیانی تحریک کے بارے میں مولانا امرتسری لکھتے ہیں:

"میری تصانیف جو قادیان کے متعلق ہیں، ان کی تفصیل لکھوں، تو ناظرین کے لیے ملال خاطر کا خطرہ ہے، اس لیے مختصر طور پر بتلاتا ہوں کہ قادیانی تحریک کے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود اس کا شمار یاد نہیں، ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے پاس یہ کتابیں موجود ہوں، قادیانی مباحث میں اسے کافی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے، جس کا ثبوت خود مرزا صاحب بانی تحریک قادیان کی اس تحریر سے ملتا ہے، جو انہوں نے پندرہ اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع کی تھی ۔جس کا عنوان تھا: "مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ"، اس کے شروع میں میری نسبت جو خاص گلہ و شکایت کی گئی ہے، وہ خصوصاً قابل دید وشنید ہے، مرزا صاحب نے لکھا: "مولوی ثناء اللہ نے مجھے بہت بد نام کیا، میرے قلعے کو گرانا چاہا وغیرہ، اس لیے میں دعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے، وہ سچے کی زندگی میں مرجائے ۔کوئی خاص وقت تھا، جب یہ دعا ان کے منہ اور قلم سے نکلی اور قبولیت اسے لینے آئی، آج قادیان کی بستی میں ادھر ادھر دیکھو، تو رونق بہت پاؤ گے، مگر ایسی کہ دیکھنے والا اہل قادیان کو مخاطب کر کے داغ مرحوم کا شعر سنائے گا:

آپ کی بزم میں سب کچھ ہے مگر داغ نہیں
آج وہ خانہ خراب ہم کو بہت یاد آیا

(اہل حدیث امرتسر، ۲۲ جون ۱۹۴۲ء)

مولانا امرتسری مرحوم نے قادیانی تحریک کے خلاف جو کتابیں لکھیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ الہامات مرزا مع حصہ جواب حق نما ۲۔ ہفوات مرزا ۳۔ **صحیفه محبوبیه**
۴۔ فاتح قادیاں ۵۔ **آفة الله** ۶۔ فتح ربانی در مباحثہ قادیانی

۷۔ عقائد مرزا ۸۔ مرقع قادیانی ۹۔ چیستان مرزا
۱۰۔ فرارِ قادیاں ۱۱۔ فسخ نکاح مرزائیاں ۱۲۔ نکاح مرزا
۱۳۔ تاریخ مرزا ۱۴۔ شاہ انگلستان اور مرزائے قادیان
۱۵۔ عجائبات مرزا ۱۶۔ قادیانی مباحثہ دکن ۱۷۔ شہادات مرزا
۱۸۔ نکات مرزا ۱۹۔ ہندستان کے دو ریفارمر ۲۰۔ محمد قادیانی
۲۱۔ مراق مرزا ۲۲۔ تعلیمات مرزا ۲۳۔ فیصلہ مرزا
۲۴۔ تفسیر نویسی کا چیلنج اور فرار ۲۵۔ علم کلام مرزا ۲۶۔ بہاء اللہ اور مرزا
۲۷۔ عشرہ کاملہ ۲۸۔ اباطیل مرزا ۲۹۔ تحفہ احمدیہ
۳۰۔ مکالمہ احمدیہ ۳۱۔ بطش قدیر بر قادیانی تفسیر کبیر
۳۲۔ لیکھ رام اور مرزا ۳۳۔ رسائل اعجازیہ ۳۴۔ ناقابل مصنف مرزا
۳۵۔ محمود مصلح موعود ۳۶۔ تحفہ مرزائیہ ۳۷۔ ثنائی پاکٹ بک
۳۸۔ تفسیر ثنائی ۳۹۔ قادیانی نبی کی تحریر فیصلہ کن ہے یا میرا حلف؟
۴۰۔ ضرورت مسیح ۴۱۔ تفسیر بالرائے (جلد اول)

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ مرحوم کی قادیانی تحریک کے خلاف خدمات جلیلہ کا اعتراف مولانا ظفر علی خان مرحوم نے درج ذیل شعر میں کیا ہے:

خدا سمجھائے اس ظالم ثناء اللہ کو جس نے
نہ چھوڑا قبر میں بھی قادیانیت کے بانی کو

تفسیری خدمات

علم تفسیر سے متعلق مولانا محمد عزیر سلفی اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں:

''اسلامی علوم وفنون کی تاریخ پر جن حضرات کی نظر ہے، وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ علم تفسیر اپنی عظمت شان، جلالت اور وسعت اور جامعیت کے اعتبار سے تمام علوم میں ممتاز ہے، اس فن میں دور صحابہ سے لے کر آج

تک مختلف نقطہ ہائے نگاہ کے مطابق بے شمار اہل علم نے متعدد زبانوں میں جو کتابیں لکھیں، ان کی تعداد خدا ہی بہتر جانتا ہے"۔

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی اپنی کتاب "الثقافة الاسلامية فى الهند" میں لکھتے ہیں:

"ہندوستان کے علماء نے بلاشبہ اس فن (تفسیر) پر ایک اچھا خاصہ کتب خانہ تیار کردیا ہے"۔

دور حاضر میں جن علمائے کرام کی کتب تفسیر کو خاص اہمیت حاصل ہے، ان میں سے شیخ الاسلام مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری قابل ذکر ہیں۔ مولانا امرتسری اپنی تفسیری خدمات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"یوں تو میری سب تصنیفات قرآن ہی کی خدمت میں ہیں، مگر خاص تفسیر نویسی سے بھی غافل نہیں رہا۔ روزانہ درس قرآن کے علاوہ پہلے میں نے "تفسیر ثنائی" غیر مسبوق طرز پر لکھی، جو آٹھ جلدوں میں ختم ہوکر ملک میں شائع ہوچکی ہے، اس کے تھوڑے عرصہ بعد بلکہ ساتھ ساتھ "تفسیر القرآن بکلام الرحمن" (عربی) لکھی، جس کی ملک میں خاص شہرت ہے، تیسری تفسیر موسومہ "بيان الفرقان على علم البيان" (عربی) لکھنی شروع کی، جس کا ایک حصہ سورہ بقرہ تک شائع ہوچکا ہے۔ تفسیر کے متعلق چوتھی کتاب موسومہ "تفسیر بالرائے" (اردو) لکھی، اس میں تفسیر بالرائے کے معنی بتا کر مروجہ تفاسیر وتراجم قرآن قادیانی، چکڑالوی، بریلوی اور شیعہ وغیرہ کی اغلاط بتلا کر ان کی اصلاح کی گئی، اس کا بھی ایک حصہ چھپ چکا ہے"۔

(اہل حدیث، امرتسر ۲۲ جنوری ۱۹۴۲ء)

تفاسیر قرآن اور قرآنی علوم سے متعلق مولانا امرتسری کی ۸ کتابوں کی تفصیل معلوم ہوسکی ہے:

① تفسیر ثنائی ② تفسیر القرآن بکلام الرحمن (عربی)

③ آیات متشابہات
④ بیان الفرقان علی علم البیان (عربی)
⑤ تفسیر بالرائے
⑥ تشریح القرآن
⑦ برہان التفاسیر بجواب سلطان التفاسیر
⑧ تفسیر بالروایۃ

تفسیر ثنائی

مولانا ثناء اللہ مرحوم اس تفسیر کی وجہ تالیف میں لکھتے ہیں:

"میں نے یہ تفسیر اس لیے لکھی ہے کہ اردو تفاسیر اس سے پہلے کسی قدر طویل ہیں، ان سے لوگ مستفید نہیں ہو سکے، اس لیے ایک مختصر تفسیر لکھ دی جائے، تا کہ لوگ اس سے مستفید ہو سکیں۔" (تفسیر ثنائی: ۱/۳، طبع ثالث، ۱۹۳۳)

تفسیر کے شروع میں مولانا نے ایک جامع و علمی و تحقیقی مقدمہ لکھا ہے، جس میں صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ کی نبوت کو عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا ہے، مولانا امرتسری نے ترجمہ کے ساتھ آیات کی جو تفسیر لکھی ہے، اس میں ربط آیات پر کافی توجہ کی ہے، مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

"میرا طرز بیان پہلے اردو تفاسیر میں نہیں آیا، جس نے اختیار کیا، وہ میرے بعد غالباً دیکھ کر کیا ہے"۔

ترجمہ اور تفسیر کے نیچے مولانا ثناء اللہ مرحوم نے بہت سے قیمتی حواشی بھی لکھے ہیں، جن میں قرآنی تعلیمات کی تشریح کی گئی ہے، آیات کے شان نزول کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ بہت سے طویل طویل حواشی میں مخالفین اسلام کے اعتراضات کا ٹھوس دلائل سے جواب دیا گیا ہے، ان حواشی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں جگہ جگہ سرسید احمد خان کی "تفسیر القرآن" پر بڑے مثبت انداز میں تفصیل سے تنقید کی گئی ہے اور ان کی نیچریت پر گرفت کی گئی ہے اور اس کے ساتھ مرزائے قادیان کی ہفوات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

تفسیر القرآن بکلام الرحمن

مولانا امرتسری نے یہ تفسیر عربی میں لکھی،اس میں آیات کی تفسیر آیات ہی سے کی ہے،قرآن کے مشکل الفاظ وعبارات کو قرآن ہی سے حل کرنے کی کوشش کی ہے،بقول علامہ سلیمان ندوی یہ غالباً اسلام میں پہلی تفسیر ہے،جو اس اصول پر لکھی گئی ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے۔اس تفسیر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تفسیر جلالین کی طرح اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔مولانا امرتسری نے یہ تفسیر کیوں لکھی؟اس کے متعلق مولانا تفسیر کے شروع میں لکھتے ہیں:

> (ترجمہ)''علماء نے قرآن مجید کی مختلف انداز میں تفسیریں لکھیں ہیں،بعض نے احادیث وآثار سے استفادہ کیا ہے اور کچھ حضرات نے اپنی عقل کا سہارا لیا ہے،حالانکہ تمام حضرات اس پر متفق ہیں کہ سب سے بہتر کلام اللہ کی تفسیر خود کلام ربانی سے کرنا ہے،چناچہ میں نے اسی طرز کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔'' (تفسیر القرآن بکلام الرحمن،ص:۲،طبع اول)

ندوۃ العلماء کی تحریک میں شرکت

۱۸۹۲ء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مدرسہ فیض عام کان پور سے فراغت پائی اور اس مدرسہ کے چند فارغ التحصیل طلباء کی دستار بندی کے موقع پر مولانا شبلی نعمانی اور چند دوسرے علمائے کرام نے ندوۃ العلماء کے قیام کا فیصلہ کیا۔

مولانا شبلی کے علاوہ جو علمائے کرام اس اجلاس میں حاضر تھے،ان میں چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

1. مولانا لطیف اللہ علی گڑھی
2. مولانا محمد اشرف علی تھانوی
3. مولانا خلیل احمد سہارنپوری
4. مولانا احمد حسن کان پوری
5. مولانا سید محمد علی مونگیری
6. مولانا شاہ سلیمان پھلواری
7. مولانا ثناء اللہ امرتسری (جو اسی سال مدرسہ سے فارغ ہوئے تھے اور حاضر جلسہ علماء

میں عمر میں سب سے چھوٹے تھے)

مولانا شبلی نعمانی کو ندوۃ العلماء کا معتمد تعلیم اور مولانا سید محمد علی مونگیری کو ناظم مقرر کیا گیا، ۱۹ جولائی ۱۹۱۳ء کو مولانا شبلی نعمانی نے معتمدی سے استعفیٰ دے دیا، جس پر طلبائے ندوہ نے ہڑتال کر دی کہ مولانا شبلی اپنا استعفیٰ واپس لیں، لیکن مولانا شبلی اس پر رضامند نہ ہوئے اور بدستور ایک رکن کی حیثیت سے خدمت کرتے رہنے کا وعدہ کیا، یہ ندوہ کی تاریخی ہڑتال تھی، جس نے سارے ملک کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور اس وقت ملک کے تعلیم یافتہ حلقوں میں ایک زندہ اور سنجیدہ مسئلہ بن گیا، ملک کے اخبارات نے اس ہڑتال کو ایک قومی مسئلہ بنا دیا۔

اخبار ہمدرد (دہلی)، زمیندار لاہور، مسلم گزٹ لکھنو اور الہلال کلکتہ کے صفحات مولانا شبلی کی حمایت اور طلبائے ندوہ کی ہمدردی کے لیے وقف تھے، سب سے زیادہ جامع اور آتش ریز مقالات مولانا ابو الکلام آزاد کے تھے، جنہوں نے پورے ملک میں طوفان بپا کر دیا تھا، مولانا اسید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

> ''ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عالم اسلام کا سب سے بڑا حادثہ پیش آیا ہے اور ملت اسلامی کا عروج و ترقی ندوہ کی اصلاح پر موقوف ہے''۔

ندوہ کی ہڑتال کو ختم کرانے کے سلسلہ میں اپریل ۱۹۱۴ء کو لکھنو میں مجلس اصلاح ندوہ کی بنیاد پڑی، جس کی اس وقت کے بڑے بڑے مشاہیر علمائے کرام نے ممبری قبول کی، اس مجلس کے صدر مولانا سید نواب صدیق حسن خان رئیس بھوپال کے لخت جگر مولانا سید نواب علی حسن خان ناظم اور مولوی نظام الدین حسن سابق منصب دار بھوپال وحیدر آباد صدر قرار پائے، اس مجلس کی تائید میں ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبات میں جلسے منعقد ہوئے، آخر ندوہ کی ہڑتال کو ختم کرانے کے لیے مسیح الملک حکیم اجمل خان میدان میں آئے اور انہوں نے دہلی میں ایک مجلس مشاورت کی دعوت دی، چنانچہ ۱۰ مئی ۱۹۱۴ء کو دہلی میں شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری کی صدارت میں اصلاحی کانفرنس منعقد ہوئی، اس کانفرنس میں خواجہ غلام الثقلین، حکیم اجمل خان، مولانا ابو الکلام آزاد، صاحبزادہ

آفتاب احمد خان، مرزا حیرت دہلوی، مولانا محمد علی سید جالب دہلوی، مولانا سید نواب علی حسن خان اور مولانا عبد الوہاب بہاری وغیرہ نے شرکت کی، اجلاس میں ندوہ کی حمایت اور مخالفت میں تقریریں ہوئیں، اپنی اپنی روئدادیں سنائیں اور تجویزیں پیش کیں، بہر حال تقریروں کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی گئی اور اس کمیٹی کے سپرد یہ کام سونپا گیا کہ وہ ندوہ کے لیے ایک دستور العمل بنائے، جس میں کسی کو بلا مشورہ اپنی رائے سے کاروائی کا موقع نہ ملے، کمیٹی کے ارکان یہ تھے:

① مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان
② مولانا ابو الکلام آزاد
③ مولانا محمد علی
④ مولانا نواب علی حسن خان
⑤ خواجہ غلام الثقلین
⑥ مولانا ثناء اللہ امرتسری
⑦ حکیم عبد الولی خان لکھنو

دستور بنانے کا کام پیرزادہ محمد حسینؒ پنشنر جج دہلی کے سپرد ہوا، جنہوں نے چند دنوں میں دستور بنا کر کمیٹی کے سپرد کر دیا۔

مجلس خلافت

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے تحریک خلافت میں عملی شرکت کے ساتھ اس تحریک کو اپنی تحریروں سے بڑی تقویت پہنچائی، ۱۹۱۹ء میں جب تحریک خلافت کا پہلا ابتدائی جلسہ لکھنو میں منعقد ہوا، جس میں سارے ملک کے اکابر اور مشاہیر جمع تھے، اس میں بھی مولانا امرتسری نے شرکت کی تھی۔

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس متحدہ ہندوستان میں جماعت اہل حدیث کی باقاعدہ تنظیم تھی، جو ۱۹۰۶ء میں قائم ہوئی اور اس کی اولین آواز مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بلند کی، کانفرنس کا قیام صوبہ بہار کے شہر آرہ میں عمل میں آیا اور اس کے صرف دو عہدے دار منتخب کیے گئے، ایک صدر اور ایک ناظم اعلیٰ، صدر مولانا حافظ محدث غازی پوری، اور ناظم

اعلیٰ مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری ! آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کو ملک میں متعارف کرانے کے لیے تین علمائے کرام پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس کے ارکان یہ تھے :

① مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی

② مولانا ثناء اللہ امرتسری

③ مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی

چنانچہ ان تینوں علمائے کرام نے پورے ملک کا دورہ کر کے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کو متعارف کرایا، مولانا امرتسری تقسیم ملک ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے ناظم اعلیٰ رہے، تقسیم ملک کے بعد آپ امرتسر سے سرگودھا (پاکستان) تشریف لے آئے اور آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا شیرازہ بکھر گیا۔

جمعیۃ العلماء کا قیام

برصغیر کی آزادی کی جدوجہد میں ایک عرصہ دراز تک علمائے کرام بھی پیش پیش رہے اور انگریزوں کے خلاف علماء نے علم بغاوت بلند کیا، چنانچہ برصغیر کی آزادی کے لیے نومبر ۱۹۱۹ء میں دہلی میں "جمعیۃ علماء ہند" کا قیام عمل میں آیا، اس کے قیام میں جن علمائے کرام نے دلچسپی لی، ان میں :

① مولانا عبدالباری فرنگی محلی
② مولانا مفتی کفایت اللہ
③ مولانا احمد سعید
④ مولانا ابوالکلام آزاد
⑤ مولانا عبدالماجد بدایونی
⑥ مولانا سید سلیمان ندوی
⑦ مولانا آزاد سبحانی
⑧ مولانا ثناء اللہ امرتسری

اور بہت سے علماء شامل تھے، ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو اسلامیہ مسلم ہائی سکول امرتسر میں جمعیۃ علماء ہند کا پہلا جلسہ منعقد ہوا اور اس میں جلسہ کی صدارت مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے کی، شیخ الاسلام مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری نے انعقاد جمعیۃ کی مختصر کیفیت بیان فرمائی، مولانا کفایت اللہ دہلوی نے جمعیۃ کے اغراض ومقاصد کا اجمالی خاکہ پیش کیا، اس

کے بعد مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان نے تجویز پیش کی کہ اساسی اصول اور ضوابط کا مسودہ مرتب کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی جائے، مسیح الملک کی اس تجویز کی اکثر حضرات موجودین نے تائید کی اور پھر متفقہ طور پر اس کمیٹی کے لیے درج ذیل علماء کا انتخاب ہوا:

• مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا محمد اکرم خان اور مولانا منیر الزمان خان۔

انجمن اہل حدیث پنجاب

۱۹۲۰ء میں انجمن اہل حدیث پنجاب کا قیام عمل میں آیا، اس کے صدر مولانا عبد القادر قصوری اور ناظم اعلیٰ مولانا ثناء اللہ امرتسری منتخب ہوئے، یہ دونوں علمائے کرام پورے آٹھ سال اپنے اپنے منصب پر متمکن رہے، ۱۹۲۸ء کے انتخابات میں مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری کو صدر اور مولانا عبد المجید سوہدروی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔

موتمر عالم اسلامی میں نمائندگی

۱۹۲۶ء میں سلطان عبد العزیز بن عبد الرحمٰن آل سعود نے حجاز فتح کیا، تو انہوں نے مکہ معظمہ میں موتمر عالم اسلامی کے انعقاد کا اہتمام کیا، ہندوستان میں تین جماعتوں کو اپنے نمائندے بھیجنے کی دعوت دی گئی:

مرکزی مجلس خلافت — جمعیۃ علمائے ہند — آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس

مجلس خلافت کے چار نمائندے تھے:

مولانا سید سلیمان ندوی (رئیس وفد) — مولانا محمد علی جوہر

مولانا شوکت علی — محمد شعیب قریشی۔

جمعیۃ علمائے ہند کے پانچ نمائندے تھے:

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی (رئیس وفد)، — مولانا شبیر احمد عثمانی،

مولانا احمد سعید دہلوی — مولانا محمد عرفان، — مولانا عبد الحلیم صدیقی

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے چار نمائندے تھے:

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری (رئیس وفد) مولانا عبد الواحد غزنوی

مولانا سید اسماعیل غزنوی حافظ حمید اللہ دہلوی

یہ پہلی موتمر عالم اسلامی تھی، جو سلطان عبد العزیز نے مکہ معظمہ میں منعقد کی تھی اور اس میں (۱۳) ممالک کے ۲۷ نمائندوں نے شرکت کی تھی۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے موتمر عالم اسلامی میں شرکت کے بعد موتمر کی کارروائی اپنے اخبار اہل حدیث امرتسر میں شائع کی۔ رسالہ کا نام ''سلطان ابن سعود، علی برادران اور موتمر'' رکھا، سلطان ابن سعود نے حجاز پر قبضہ کرنے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ وہاں جو پختہ قبریں بنائی گئیں تھیں، ان سب کو مسمار کر دیا، سلطان کے اس اقدام سے ہندوستان میں علی برادران (مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی) نے بڑا شور مچایا اور سلطان ابن سعود کے خلاف ایک محاذ قائم کر دیا، وہ مخالفت میں تقریریں بھی کرتے تھے اور مولانا محمد علی اپنے اخبار ہمدرد میں مضامین بھی لکھتے تھے، دوسری طرف مولانا ظفر علی خان سلطان ابن سعود کی حمایت میں سامنے آئے، انہوں نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں سلطان کی حمایت میں تقریروں کا سلسلہ شروع کیا اور اپنے اخبار زمیندار میں بے شمار مقالات لکھے اور مولانا محمد علی کے اعتراضات کو چھلنی کر کے رکھ دیا، اس کے بعد سلطان ابن سعود نے مکہ معظمہ میں موتمر کا اجلاس طلب کیا، جس میں سلطان ابن سعود نے اعلان کیا کہ پختہ قبروں کا جواز کتاب وسنت سے ثابت کیا جائے، تو میں ان کو دوبارہ بنوادوں گا، لیکن کوئی بھی اس کا جواز پیش نہ کر سکا، مولانا امرتسری کا یہ رسالہ ۱۹۲۶ء میں ۲۴ صفحات پر امرتسر سے شائع ہوا۔

مسلم لیگ

۱۹۱۹ء میں امرتسر میں جلیانوالہ باغ میں ہندو، سکھ اور مسلمانوں کا ایک مشترکہ جلسہ عام ہوا۔ جس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی، اس جلسہ پر انگریزی حکومت نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی، جس میں سینکڑوں بے گناہ آدمی مارے گئے، حکومت کے اس اقدام کے خلاف امرتسر میں کانگرس اور مسلم لیگ کے اجلاس منعقد ہوئے، مسلم لیگ کے اجلاس کی

صدارت مسیح الملک محمد اجمل خان نے کی اور صدر مجلس استقبالیہ شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری تھے، آپ نے ایک بصیرت افروز خطبہ ارشاد فرمایا، یہ خطبہ اہل حدیث، امرتسر (۹ جنوری ۱۹۲۰ء) میں شائع ہوا۔

اعتراف عظمت

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری اپنے دور کے جلیل القدر عالم تھے، ان کے علمی تبحر، ذوق مطالعہ، وسعت معلومات اور انکی علمی و دینی اور قومی وملکی خدمات کا اعتراف بر صغیر (پاک و ہند) کے نامور علماء واہل قلم نے کیا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''مولانا ثناء اللہ ہندوستان کے مشاہیر علماء میں سے تھے، فن مناظرہ کے امام تھے، خوش بیان مقرر تھے، متعدد تصانیف کے مصنف تھے، مذہباً اہل حدیث تھے اور اخبار اہل حدیث کے ایڈیٹر تھے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا، اس کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم شمشیر بے نیاز ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کر دی''۔

(یاد رفتگان، ص: ۳۲۹، ۳۷۰)

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم انیسویں صدی کے اواخر میں پیدا ہوئے، مرحوم کو تمام فنون پر کافی عبور تھا اور بوقت ضرورت ان سے استفادہ فرماتے تھے، مناظرہ کے ساتھ خوش بیان مقرر تھے، مرحوم نے اسلام کی جو خدمات کی ہیں، وہ میرے سامنے ہیں اور مسلک اہل حدیث کے لیے جو قربانیاں دی ہیں، وہ میری نظر میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت فردوس میں جگہ دے''۔ (حیات ثنائی، ص:۱۱)

مؤرخ اہل حدیث مولانا اسحٰق بھٹی لکھتے ہیں:

''مولانا ثناء اللہ مرحوم کی خدمات کا سلسلہ بہت وسیع ہے، تصنیف وتالیف، وعظ وتقریر اور مناظروں اور مباحثوں کے ذریعے انہوں نے اسلام کی جو اشاعت کی اور مسلک اہل حدیث کو جس انداز سے نکھار کر پیش کیا، اس میں ان کے زمانے کا کوئی حریف نہ تھا، آئندہ بھی ان کے پائے کا عالم پیدا نہیں ہو سکے گا، کیونکہ جس دور میں وہ پیدا ہوئے تھے، وہ دور ختم ہو چکا ہے، نہ اب وہ دور آئے گا، نہ اس قسم کے مباحث ظہور میں آئیں گے اور نہ اس قابلیت کے عالم پیدا ہوں گے''۔ (میاں فضل حق اور ان کی خدمات، ص: ۲۳)

علامہ احسان الٰہی ظہیر فرمایا کرتے تھے کہ مولانا امرتسری اعاظم رجال میں سے تھے۔

حالات زندگی

مولانا ثناء اللہ ۱۸۶۸ء بمطابق ۱۲۸۷ھ کو امرتسر میں پیدا ہوئے، تعلیم کا آغاز مولانا احمد اللہ رئیس امرتسر کے مدرسہ تائید الاسلام سے کیا، اسکے بعد آپ نے استاد پنجاب حافظ عبد المنان محدث وزیر آبادی، مولانا محمود الحسن دیو بندی، شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی اور مولانا احمد حسن کان پوری سے مختلف علوم اسلامیہ میں اکتساب فیض کیا، فراغت تعلیم کے بعد کچھ عرصہ تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، پھر تصنیف وتالیف میں مشغول ہوئے، نومبر ۱۹۰۳ء میں ہفت روزہ اخبار ''اہل حدیث'' جاری کیا، جو مسلسل ۴۴ سال تک دین اسلام اور کتاب وسنت کی اشاعت میں مصروف رہا، آپ ایک کامیاب مناظر اور مصنف تھے، تقریباً ایک سو اسّی (۱۸۰) کے قریب چھوٹی بڑی کتابیں تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ اور ادیان باطلہ کی تردید میں لکھیں۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا اور آپ امرتسر سے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے اور سرگودھا میں رہائش اختیار کی، جہاں آپ نے ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۳۲۷ھ کو ۸۰ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا نور حسین گھر جاکھی نے آپ کی وفات پر ایک نظم لکھی تھی، جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

خدا کا نیک بندہ جب کوئی دنیا سے جاتا ہے
زمین وآسمان تو کیا عرش بھی کانپ جاتا ہے
وہ عالم تھا ، مجاہد تھا ، محدث تھا زمانے کا
مناظر تھا، مجاہد تھا،وہ سب عالموں میں اعلم تھا
غرض وہ قوم اپنی میں سپہ سالار اعظم تھا
زبان عربی و اردو میں ہیں چار تفسیریں
خزینہ علم وحکمت کا ، گل وگلزار تفسیرں
مفسر تھا کلام اللہ کا وہ محبوب سبحانی
وہ اپنے دور کا رازی و ابن تیمیہ ثانی
وہ اپنا فرض پورا کر چکا تھا بحر ہستی میں
بالآخر سو گیا آکر وہ سرگودھا کی بستی میں

دیباچہ

آج کل علم حدیث پر مختلف عنوانات سے جتنے اعتراض ہو رہے ہیں، سابق زمانہ میں شاید نہ تھے۔ ان اعتراضات کو دیکھ کر علمائے حدیث کا فرض ہے کہ سب کام چھوڑ چھاڑ کر ادھر متوجہ ہو جائیں، پھر جو کچھ کسی کی سمجھ میں آئے، خدا داد قابلیت سے مدافعت کریں۔

ایک گاؤں یا قصبہ پر مخالف حملہ آور ہوں، تو اس مقام کے لوگوں کا کیا فرض ہونا چاہئے؟ یہی کہ جو جس سے ہو سکے، مدافعت میں اُٹھ کھڑا ہو، دہلی کے امراء کی طرح نہ کرے کہ نادرشاہ تو حملہ کرتے ہوئے دہلی کے قریب پہنچ جائے مگر امراء دہلی تاش اور شطرنج میں یہی کہتے رہیں:

"ہنوز دہلی دُور است" ❶

یا مثلاً مشترکہ جدّی مکان پر حملہ ہو، تو ورثاء کے لئے کس قدر قابل شرم غفلت کا مقام ہے کہ وہ اس بات پر جھگڑیں کہ اس مکان کی مشرقی جانب میں لوں گا یا مغربی جانب تجھے دوں گا، یا سارے مکان کا مالک میں ہوں وغیرہ۔

علم حدیث پر کتنی قسم کے حملے ہیں؟ غور سے سنیے:

① منکرین حدیث کی طرف سے، جن کو نیچری یا چکڑالوی یا بالفاظ دیگر "محقق پارٹی" کہا جاتا ہے۔

② مؤولینِ حدیث کی طرف سے، جو حدیث کو اقوال کے ماتحت کرنے کے عادی ہیں۔

③ مبتدعین کی طرف سے، جو حدیث بلکہ قرآن کو بھی رسوم مروّجہ کے ماتحت کرتے ہیں۔

---

❶ ابھی دہلی دور ہے!

④ چوتھا وہ فریق جس کی طرف سے ایک کتاب "ھفوات المسلمین" حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ ان سب قسم کے حملوں کی اطلاعات دفتر "اہلحدیث" میں پہنچتی رہتی ہیں اور حسب توفیق جواب بھی دیئے جاتے ہیں اور دیئے جائیں گے۔ بِحَولہ وقُوّتہ.

اس مؤخر الذکر کتاب کے مصنف نے بڑی پردہ پوشی سے علم حدیث پر یوں حملہ کیا ہے کہ چند احادیث کا انتخاب کر کے اُن کی ایک سطح بدنما صورت میں دکھا کر ناظرین کو علم حدیث سے بدگمان کیا ہے.

گذشتہ زمانہ میں آریہ مصنفوں میں سے مشہور اور منہ زور مصنف پنڈت لیکھ رام آریہ مسافر گزرا ہے۔ اس کی یہ عادت تھی کہ آیات قرآنیہ کے معانی کی ایک ایسی سطح دکھایا کرتا، جس کے دیکھنے سے ناظرین کو قرآن مجید کی شکل ایک بھیانک صورت میں دکھائی دیتی، مثلاً اُس نے ایک مضمون لکھا ہے، جس کی سرخی رکھی تھی:

"محمد صاحب کو آخری وقت میں خدا بننے کا شوق ہوا"!

اس پر بہت سی آیات کو بطور دلائل کے پیش کیا، جن میں سے ایک یہ ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ ﴾ ❶

"اے نبی! جو لوگ آپ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں، وہ اللہ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں، بیعت کے وقت اُن کے ہاتھوں کے اُوپر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے".

اس آیت اور اس جیسی دیگر کئی آیات سے اپنے دعوے پر ثبوت پیش کیا، جو ناواقفوں کی نگاہ میں ممکن ہے کچھ وزن رکھتا ہو، لیکن داناؤں کے نزدیک یہ واقعہ مشہور مصرعہ کا مصداق ہے۔

تو آشنائے حقیقت نئی خطا اینجاست ❷

---

❶ الفتح: ١٠

❷ تمھیں حقیقت سے واقفیت نہیں، غلطی تو یہیں پر ہے۔

مصنف رسالہ "هفوات المسلمین" کا یہی طریق ہے، مگر آپ نے مومنانہ (نہ منکرانہ) حیثیت سے یوں حملہ کیا ہے کہ چند روایات صحیحہ غلط نقل کی ہیں، جن کی بابت آپ نے یوں اظہار کیا ہے، جس کو ہم دو فقروں میں نقل کرتے ہیں:۔

1 "دُنیا میں کوئی آسمانی وغیر آسمانی مذہب ہم کو ایسا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ جس کے کسی فرد کے نزدیک اپنے بانی مذہب کی توہین جائز ہو۔"

2 "لیکن فرقہ اہل سنت و جماعت کے بعض اسلاف ایسے خوش فہم تھے کہ انھوں نے بغیر خوض و تحقیق پیغمبر ﷺ کی توہین کو صحیح و موثق سمجھ کر اپنی اپنی جامع وموطا و مسانید وسنن وغیرہم میں درج کر لیا۔ چنانچہ نمونہ کے طور پر چند مطالب کی احادیث مختلف کتب سے اس باب میں درج کرتے ہیں" (ص:۳)

اہلحدیث

① فقرہ نمبر اول تو اصولاً قابل تسلیم ہے، مگر کسی واقعہ کا موجب توہین ہونا یا نہ ہونا، کسی قاعدہ کا محتاج ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی واقعہ ہے، ایک فریق اس کو قابل توہین جانتا ہے، دوسرا اس کو قابل عزت سمجھتا ہے، مثلاً کسی پیشوائے مذہب کا برہنہ جسم صرف لنگوٹی باندھ کر بیٹھنا، اہل اسلام کے نزدیک تو معیوب ہے، مگر ہندوؤں، آریوں اور جینیوں وغیرہ کے نزدیک معیوب نہیں، بلکہ حسن ہے، اس لئے تحسین اور توہین کا جب تک اصول متفقہ مسلّمہ فریقین نہ ہو، کسی واقعہ کی نسبت کسی جانب رائے قائم کرنا صحیح نہ ہوگا۔

② شکر ہے کہ اس وقت ہمارا خطاب ایک ایسے صاحب سے ہے، جن کے نزدیک قرآن مجید کی تعلیم سب سے بہترین اصول ہے۔ لہٰذا ہم ان پیش کردہ واقعات کے جواب میں اگر قرآنی اصول پیش کریں، تو غالباً (غالباً کیا یقیناً) انھیں بھی تسلیم ہوگا۔

فقرہ نمبر دوم میں انھوں نے خاص کر علماء سُنت و جماعت کو مطعون کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے آپ شیعہ (امامیہ) مذہب کے معتقد ہیں اور شیعہ کو اس عیب سے آلودہ نہیں جانتے، اس لئے ہم ایک دو مثالیں شیعہ کی معتبر کتب سے پیش کرتے ہیں، جن سے ثابت

ہوگا کہ شیعہ اپنے بزرگوں کی نسبت کہاں تک توہین یا تحسین کے قائل ہیں۔
شیعہ کی معتبر کتاب "کافی" کی فروع میں لکھا ہے:

① عن أبي عبدالله قال: " النظر إلىٰ عورة من ليس بمسلم مثل نظرك إلى عورة الحمار".(كتاب التجمل :ص٦١۔ مطبوعه كشورى)[1]

"امام جعفر صادق نے فرمایا کہ غیر مسلم (مرد یا عورت) کی ننگیز کو دیکھنا، ایسا ہے جیسے گدھے کے ننگیز کو دیکھنا، (گناہ نہیں)۔"

کیا مصنف موصوف اس روایت کو امام جعفر صادق کی شان کے مطابق صحیح جانتے ہیں؟

② اسی طرح امام ابو جعفر محمد بن علی کی بابت لکھا ہے:

"إن أبا جعفر كان يقول من كان يؤ من بالله واليوم الآخر فلا يدخل الحمام إلا بمئزر قال فدخل ذات يو م الحمام فتنوّر فلما أن أطبقت النورة علىٰ بدنه ألقى المئزر فقال له مولى له بأبي أنت وأمي إنك لتوصينا با لمئزر ولزومه وقد ألقيته عن نفسك فقال أما علمت أن النور ة قد أطبقت العورة"

(فروع كافي، كتاب التجمل۔كشور۔ص:٦١)[2]

"ابو جعفر فرمایا کرتے تھے: جو کوئی حمام میں جائے، وہ تہبند ضرور باندھ لیا کرے۔ ایک روز حضرت ممدوح خود حمام میں داخل ہوئے اور بدن کے بال اڑانے کے لیے سارے بدن پر "نورہ" (گندھک اور ہڑتال سے مرکب) ملا۔ جب "نورہ" سارے بدن پر مل چکے، تو تہبند اُتار کر پھینک دیا، اُن کے خادم نے عرض کی: حضرت آپ ہم کو تو تہبند باندھنے کا ضروری حکم فرمایا کرتے ہیں اور خود تہبند کو اُتار کر پھینک دیا ہے، فرمایا: تو نہیں جانتا کہ میں نے سارے بدن پر "نورہ" مل لیا ہے۔"

---

[1] الفروع من الكافي:٤/ ٥٠١

[2] الفروع من الكافي :٤/ ٥٠٢، كتاب الزي والتجمل۔

کیا فاضل مصنفِ ''ہفوات'' بھی ایسی روایت کے مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے قائل ہیں کہ بدن پر ''نورہ'' ملنے سے آدمی چار جامہ (بالکل برہنہ) ہو کر دوسرے لوگوں کے سامنے بیٹھ سکتا ہے؟ اگر مصنف موصوف اس کی صحت کے قائل ہیں، تو اُن سے صرف یہی سوال ہوگا کہ ''نورہ'' تو بالوں کی جگہ پر ملا جاتا ہے، عضو مخصوص مستطیل پر تو نہ بال ہوں گے، نہ ''نورہ'' لگا ہوگا، پھر اس کو کیوں ننگا کیا؟

حضرات ناظرین! یہ نمونہ ہم نے تو اس لئے پیش کیا ہے کہ قابل مصنف نے غریب اہلسنت پر توہینِ بزرگان کا الزم لگایا ہے، جو ابھی زیرِ تحقیق ہے اور شیعہ کو اس سے بری کیا ہے، جس کی دو مثالیں پیش ہیں، تا کہ مقابلہ میں بات پرکھنے کا موقع ملے ۔

تمھیں تقصیر اس بت کی جو ہے میری خطا لگتی
مسلمانو! ذرہ انصاف سے کہیو خدا لگتی

باب اوّل:

عورتوں سے محبت

اس کتاب کے باب اول میں پہلی سرخی یہ لکھی ہے ''بہتان در رغبتِ رسول بہ نساء'' ❶ اس عنوان کے نیچے کتاب "نسائي" سے حدیث لائے ہیں ۔ جس میں ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''مجھے دُنیا میں عورتیں اور خوشبو پسند ہے''. ❷

اس حدیث پر مصنف نے یوں نوٹ لکھا ہے:

''مسلمانوں کو کسی کنہیا پرست (عورت پرست) نے یہ عبارت دی اور انھوں نے اس زٹل (گپ) کو حدیث سمجھ لیا ، دیکھیے رسول کی شان یہ ہے کہ وہ معرفتِ الٰہی اور ہدایتِ خلق اور اِجرائے احکامِ خدا میں زیادہ خوش ہو، نہ کہ عورتوں اور اس کے لوازم خوشبو سے۔ معاذ اللّٰہ'' (ص:۴)

اہلحدیث

اس سے پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ مصنف چونکہ مسلمان ہے ، قرآن مجید کو صحیح معیار جانتا ہے، اس لئے ہم ہر ایک سوال کا جواب قرآنی اصول ہی سے دیں گے، پس اس سوال کے جواب میں قرآن مجید کی آیت موصوفہ ذیل پیش کر تے ہیں، ارشاد ہے:

❶ رسول کریم ﷺ پر عورتوں میں رغبت رکھنے کا بہتان۔

❷ سنن النسائي،كتاب عشرة النساء،باب حب النساء،رقم الحديث (٣٩٣٩) ، مسند أحمد: ١٢٨/٣ ، المستدرك :١٧٤/٢ ،سنن البيهقي:٧٨/٧.
اس حدیث کو امام حاکم اور ذہبی نے ''صحیح'' اور حافظ عراقی و ابن حجر نے ''جید وحسن'' اور علامہ البانی نے ''حسن صحیح'' قرار دیا ہے. (التلخيص الحبير ١١٦/٣ ،فيض القدير : ٣٧٠/٣)

﴿ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾. (پ۲۱ ع۶) [1]

"خدا کی قدرت کے نشانوں میں سے ایک نشان یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری نسل سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم ان کے ساتھ سکون اور آرام حاصل کرو، اور تمہارے (زوجین کے) درمیان محبت اور اُلفت پیدا کی، بے شک اس واقعہ میں قدرت کے کئی ایک نشان ہیں اُس قوم کے لئے جو فکر کرتے ہیں"۔

یہ آیت اصولاً بتا رہی ہے کہ بیوی خاوند میں محبت کا پیدا کرنا ایک قدرتی فعل ہے بلکہ قدرت کا مقصد یہی ہے کہ میاں بیوی محبت بلکہ عشق سے رہیں، تاکہ جو غرض اُن کے باہمی تعلق سے قدرت کو مقصود ہے، وہ حاصل ہو، یعنی خاوند کا بیوی کی طرف اور بیوی کا خاوند کی طرف میلان رہے، تاکہ تولیدِ اولاد (اولاد پیدا کرنا) اور بندشِ زنا ہو سکے۔ پیغمبر علیہ السلام بھی چونکہ بشر تھے، بیوی بچے رکھتے تھے، بلکہ کل انبیاء علیہم السلام بھی ازواج اور اولاد رکھتے تھے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّیَّةً ﴾.

(پ۱۳ ع۱۲) [2]

"ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے اور اُن کے لئے بیویاں اور اولاد بھی بنائی"۔

یہ آیت بصراحت بتا رہی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا صاحبِ ازواج اور صاحبِ اولاد ہونا ایک قدرتی فعل ہے۔ اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوی خاوند کا تعلق ایک قدرتی فعل پر مبنی ہے اور ظاہر ہے کہ جتنا تعلق احسن ہوگا، اُتنا ہی منشاء قدرت کے موافق ہوگا۔ جب یہ فعل قدرتی اور منشاء قدرت کے موافق ہے اور انبیاء

---

[1] الروم : ۲۱

[2] الرعد : ۳۸

سابقین علیہم السلام اس کی مثال ہیں، تو پھر شانِ نبوت کے برخلاف اس میں کیا ہوا؟

مصنف نے خدا جانے یہ کیا کہہ دیا:

''رسول کی شان یہ ہے کہ وہ معرفت الٰہی وغیرہ میں زیادہ خوش ہوں، نہ کہ عورتوں اور خوشبو سے''۔

اے جناب! زیادہ اور کم کی تحدید کرنا تو آپ کا اپنا اختیار ہے۔ حدیث کا مضمون تو صرف اتنا ہے کہ دنیا کی چیزوں میں سے مجھ کو یہ پسند ہیں۔ ہدایت خلق اور معرفت وغیرہ دُنیاوی اشیاء میں سے نہیں۔ اس لئے ان میں یہ نسبت بھی ملحوظ نہیں، بلکہ یہ قسم اور ہے اور وہ اور ہے۔

روزہ میں بوسہ لینا

تعجب ہے مصنف نے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ بحالت صوم بھی اپنی بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بوسہ لیا کرتے تھے۔ [1] اس پر اعتراض کرتے ہیں اور کیسے کمزور لفظوں میں اعتراض کرتے ہیں:

''اگر چہ بحالتِ صوم بوسہ زنان (عورتوں) حرام نہیں، لیکن مکروہ ضرور ہے''۔(ص:۴۰)

اہلحدیث

''لیکن'' سے پہلا حصہ تو صاف ہے اور بعد کا حصہ یعنی'' مکروہ ہونا''، یہ جناب مصنف کا شرعی فتویٰ ہے، تو اس کا ثبوت دینا ان پر فرض ہے۔ اگر طبعی کراہت ہے، تو شرعیات میں بجوئے نارزد، [2] ہاں یہ خوب کہا:

''(بوسہ لینے میں رسول کا) جب دل پر اختیار نہ رہا، تو مرفوع القلم ہو گئے، تو

---

[1] سنن أبي داود، كتاب الصيام، باب القبلة للصائم، رقم الحديث (٢٣٨٣)، مسند أحمد: ٣٩/٦، ابن خزيمة: ٢٤٥/٣، ابن حبان: ٣١٠/٨،
اس حدیث کو امام ابن خزیمہ، ابن حبان اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔(إرواء الغليل: ٨٢/٤، السلسلة الصحيحة: ٤٣٠/١(٢١٩)

[2] تو شرعی امور میں اس کو ذکر کرنا ایسا ہی ہے جیسا آگ کی ندیا میں کودنا

اس صورت میں مفترض الطاعة نہ رہے، پس ﴿أَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ [1] برخواست، پناہ بخدا"

مفترض الطاعة (جس کی مذہبی احکام میں اطاعت فرض ہو) کے لئے ہمارے نزدیک اتنا ہی ضروری ہے کہ خود بے فرمانِ الٰہی نہ ہو۔ ہاں شیعہ کے نزدیک ایک ضروری شرط اور بھی ہے، وہ بھی غالباً آپ کو یاد ہوگی:

قال أبو عبدالله۔علیه السلام۔ :" أي إمام لا يعلم مايصيبه وإلى ما يصير فليس ذلك حجة الله على خلقه" (أصول کافی :١٥٨/١)

"امام جعفر صادق کہتے ہیں:" جو امامِ وقت اپنی آیندہ مصیبت نہ جانتا ہو اور یہ بھی نہ جانتا ہو کہ اس کا انجام کیا ہوگا، وہ حجة الله (مفترض الطاعة) نہیں"۔

اس اصول کے مطابق بتایئے، امام حسین جو کوفیوں کی دعوت پر مکہ معظّمہ سے نکلے تھے، ان کو معلوم تھا کہ ہم کر بلا میں گھیر لیے جائیں گے؟ جواب لکھتے ہوئے اپنے ایمان اور ضمیر سے شہادت پوچھیے گا، محض جواب دینا مدنظر نہ رکھیے گا۔ پس مصنف کے جملہ اعتراضات واردہ کا جواب آیت موصوفہ سے حاصل ہوگیا۔

شہد والا واقعہ:

صفحہ ۵ پر مصنف نے بخاری کی حدیث ادھوری نقل کی ہے، جس میں ذکر ہے کہ حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ آپ کے منہ سے موم کی بو آتی ہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کا پینا اپنے نفس پر حرام کرلیا، تو آیت قرآنی اُتری:

﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾. (پ۲۸ ع۱۹) [2]

---

[1] النساء :٥٩ (رسول کی اطاعت کرو)، یہ حکم ختم ہوا!

[2] (التحريم :٤)صحيح البخاری، كتاب الأيمان والنذور،باب إذا حرّم طعاما،رقم الحديث (٦٣١٣)،صحيح مسلم ،كتاب الطلاق ،باب وجوب الكفارة على من حرّم امرأته ولم ينو الطلاق،رقم الحديث (١٤٧٤).

"اے عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما اگر تم خدا کے سامنے توبہ کرو تو تم کو مناسب ہے کیونکہ تمہارے دل بگڑ گئے ہیں"۔

اس روایت پر مصنف نے تین اعتراض کیے ہیں، جن کے الفاظ یہ ہیں:

1. رسول اللہ کی یہ شان کہ جس بی بی کا دل خدا سے پھر گیا ہو، اس پر رسول اللہ فریفتہ ہوں!
2. جو بی بی خدا سے منحرف ہو، وہ ان کی زوجیت میں رہ جائے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا!
3. رسول اللہ پر ازواج کی یہ زیادتیاں کہ کئی کئی دن تک آپ غم وغصہ میں مبتلا رہیں، یعنی کارِ رسالت سے معطل رہیں، ان ہفوات کو عقلِ اسلامی ہرگز قبول نہیں کرتی"(ص:۵)

اہلحدیث

ہم پہلے نمبر میں ہی لکھ آئے ہیں کہ ہمارے اور مصنف بلکہ جملہ مسلمانوں کے نزدیک معیارِ صداقت قرآن مجید ہے، اس لئے اسی (کتاب اللہ) سے ہم فیصلہ کراتے ہیں، کچھ شک نہیں کہ سورہ تحریم میں اس قصہ کا ذکر ملتا ہے، جس کو ان لفظوں سے شروع کیا ہے:

﴿يَأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾. (پ۲۸ ع۱۹)[1]

"اے نبی! جو چیز اللہ نے تیرے لئے حلال کی ہے، تو اس کو حرام کیوں کرتا ہے اپنی بیویوں کی رضا جوئی کرتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"

اس آیت سے پہلے ازواج مطہرات کا ذکر ہے، ان میں سے دو کو خاص کر مخاطب کر کے فرمایا:

﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ﴾

قرآن مجید کی اس آیت سے اتنا تو صاف ثابت ہوا کہ یہ دونوں بیویاں آنحضرت ﷺ کی ازواج تھیں، پھر کیا یہ الزام حدیث پر ہے یا قرآن پر؟ جس نے ایسی

[1] التحریم:۱

دو عورتوں کو آنحضرت ﷺ کی ازواج میں شمار کیا اور حکم نہ دیا کہ ان کو طلاق دے دو، ایک لائق مصنف کا فرض ہے کہ کہتے ہوئے یہ تو خیال کرے کہ میرا اعتراض مشترک کتاب پر بھی تو وارد نہیں ہوگا۔

اب تینوں سوالوں کے مفصل جوابات سنیئے:

1. رسول ﷺ کا دل پہلے سے فریفتہ تھا اور بیویوں سے غلطی بعد میں ہوئی، زمانہ ایک نہیں۔ جب غلطی ہوئی تو خدائی تنبیہ وارد ہونے پر وہ تائب ہوئیں لہٰذا ملال نبوی بھی جاتا رہا۔

2. ایسا ہوتا تو قرآن مجید میں ان کو طلاق دینے کا صاف لفظوں میں حکم ہوتا یا کتب حدیث یا کتب تواریخ میں ملتا کہ آنحضرت نے عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کو طلاق دے دی تھی۔ جب نہ قرآن میں حکم ہے، نہ کتب تاریخ میں واقعہ ملتا ہے، تو اب اعتراض کس پر؟ خدا پر یا نبی پر؟

3. بیوی خاوند کے تعلقات بحیثیت بیوی ہونے کے اور ہیں اور بحیثیت اُمتی ہونے کے اور۔ بحیثیت اُمتی ہونے کے امت نبی کی محکوم ہے، نہ صرف محکوم بلکہ یہاں تک حکم ہے:

﴿لَا تَرْفَعُوْٓا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾. (پ۲٦ ع ۱۳) [1]

"نبی کی آواز سے اوپر آواز نہ نکالو"۔

مگر بیوی ہونے کی حیثیت میں ارشاد ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾. (پ۲ ع۱۲) [2]

"جیسے خاوندوں کے بیویوں پر حقوق ہیں، اسی طرح بیویوں کے خاوندوں پر حق ہیں"۔

---

1. الحجرات:۲
2. البقرة:۲۲۸

بس جس طرح ایک امتی کی بیوی اپنا حق خاوند سے مانگ سکتی ہے، پیغمبر کی بیوی بھی طلب کر سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ رہا یہ لفظ کہ اتنی زیادتیاں کرتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ دن بھر غصے میں رہتے۔ جس کو مصنف نے اور ترقی دی ہے کہ "کارِ رسالت سے معطل ہو جاتے"

یہ سب غلط فہمی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اپنی بیوی نے کسی کام میں دخل دیا، تو حضرت ممدوح نے اُس پر خفگی کا اظہار کیا. بیوی نے بطور جواب مبالغہ سے کہا کہ تو میرے اتنا بولنے پر خفا ہوتا ہے، تیری بیٹی (حفصة زوج النبي)[1] تو اتنا سوال وجواب کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ سارا دن غم وغصہ میں رہتے ہیں[2]۔ اس سے مراد مبالغہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ازواج کے سوال وجواب اور دخل دہی سے بہت تنگ ہو کر بھی اس کو دخل دہی سے منع نہیں فرماتے اور تو میری ذرا سی بات پر اتنا بگڑ گیا۔

یہ تو وہی بات ہوئی کہ

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں رسوا
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

بھلا اگر واقعی سارا دن آنحضرت ﷺ غم وغصہ میں رہا کرتے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کا علم ہوتا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو دربارِ رسالت کے خاص مصاحبوں میں سے تھے۔

معلوم ہوا کہ بیوی نے اپنا جواب (ڈیفنس) بہت مبالغہ سے دیا ہے۔ پس اس کا نتیجہ خود ہی کافور ہو گیا، یعنی نہ سارا دن غصہ رہتا، نہ کارِ رسالت سے معطل ہوتے، نہ آپ

---

[1] حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نبی پاک ﷺ کی بیوی۔

[2] صحيح البخاري، كتاب المظالم، باب الغرفة والعلية المشرفة في السطوح وغيرها، رقم الحديث (٢٣٣٦)، صحيح مسلم: كتاب الطلاق، باب في الإيلاء واعتزال النساء، رقم الحديث (٤١٧٩) ولفظه: "....فتغضبت يوما على امرأتي فإذا هي تراجعني فأنكرت أن تراجعني، فقالت: ماتنكر أن أراجعك؟ فوالله إن أزواج النبي ﷺ ليراجعنه وتهجره إحداهن اليوم إلى الليل...."

کا مزاج اتنا غصیلہ تھا کہ بیوی کی معمولی سی تکرار پر سارا دن مغموم اور مغضوب رہیں۔غور سے پڑھیے:﴿ إِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴾.(پ۲۹ ع۳) ❶

جونیہ سے نکاح

کتاب" ھفوات "کے مصنف نے ص۶، ۷ پر دو سخت دل آزار عنوان لکھے ہیں، جو دراصل ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں، ایک عنوان رکھا ہے:

''طلبی مہ جبیں''❷، دوسرا ''اقدام زنا بجونیہ''.❸

مصنف چاہے کتنا ہی اپنا اخلاص ظاہر کرے۔مگر ان عنوانوں کے ماتحت اس نے جس قدر دل آزاری کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے احادیث کے سمجھنے میں ذرہ بھی محنت نہیں کی، بلکہ سوامی دیا نند کی طرح محض سطحی طور پر اعتراض کرتا گیا۔ہم اس قصے کے متعلق پہلے حدیثِ جونیہ مختلف و متعدد روایات سے نقل کرتے ہیں، پھر مصنف کے اعتراضات کا ذکر کریں گے۔اُمید ہے ناظرین خود ہی اُن کے دفع کرنے پر قادر ہو جائیں گے۔

مصنف نے صحیح بخاری سے ادھوری حدیث نقل کر کے نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نکاح سے پہلے ہی جونیہ عورت پر معاذ اللہ دست درازی کی، جس پر اُس نے سخت بیزاری ظاہر کی، تو آپ نے مارے شرم کے اس کو چھوڑ دیا۔حالانکہ واقعہ یوں نہیں بلکہ صحیح واقعہ یوں ہے کہ نکاح ہو چکا تھا۔جس کا ثبوت خود صحیح بخاری میں ملتا ہے کہ سہل بن سعد اور ابواسید۔رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

((تزوج النبي أميمة)).(ص ۷۹۰)❹

---

❶ القلم:٤ ﴿بلاشبہ آپ ایک بڑے خلق پر ہیں﴾

❷ حسینہ کو بلاوا

❸ جونیہ کے ساتھ زنا کا اقدام

❹ صحيح البخاری: كتاب الطلاق،باب من طلق وهل يواجه الرجل امرأته بالطلاق،رقم حديث (٤٩٥٧)

"آنحضرت نے أمیمه جو نیه سے نکاح کرلیا تھا"۔

جس کی تفصیل فتح الباری میں یوں ملتی ہے کہ نعمان بن جون نے مسلمان ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ میں عرب کی ایک خوبصورت بیوہ عورت سے آپ کا نکاح کرادوں؟ آپ کے ہاں کرنے پر اُس نے نکاح کرادیا اور ابو اُسید کو اس کے ساتھ بھیجا کہ اس عورت کو لے آ چنانچہ فتح الباری میں الفاظ یہ ہیں:

«عن أبي أُسيد قال تزوج رسول الله ﷺ امرأة من بني الجون فأمرني أن آتيه بها فأتيته بها فأنزلتها بالشوط».(پ۲۲ص۱۶۱) [1]

"ابواسید کہتے ہیں:"آنحضرت نے ایک جونیہ عورت سے نکاح کیا اور مجھے کہا کہ میں اس کو آپ کے پاس لے آؤں، چنانچہ میں نے اس کو ایک باغ میں اُتار کر آپ کو خبر کی، تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے"۔

اس تفصیلی روایت کے بعد ہم صحیح بخاری کی اصل روایت نقل کرتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

«عن أبي أُسيد قال خرجنا مع النبي ﷺ حتى انطلقنا إلى حائط يقال له الشوط، حتى انتهينا إلى حائطين فجلسنا بينهما فقال النبي ﷺ: اجلسوا هاهنا، ودخل، وقدأتي بالجونية فأنزلت في بيت في نخل في بيت أميمة بنت النعمان بن شراحيل ومعها دايتها ـحاضنة لهاـ فلما دخل عليه النبي ﷺ قال هبي نفسك لي، قالت: وهل تهب الملكة نفسها للسوقة؟ قال فأهوى بيده يضع يده عليها لتسكنـ فقالت: أعوذ بالله منك ـ"قال قد عذت بمعاذ، ثم خرج علينا فقال: يا أبا أُسيد،

[1] فتح الباري: ۳۵۸/۹،حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ روایت طبقات ابن سعد (۱۴۶/۸) سے نقل کی ہے۔

اکسها رازقیتین وألحقها بأهلها»۔

(بخاری، کتاب الطلاق، ص: ۷۹۰)

''ابو اُسید صحابی کہتے ہیں: ہم آنحضرت کے ساتھ باہر کو نکلے، یہاں تک کہ ہم ایک باغ کے پاس پہنچے۔ آپ نے فرمایا: یہاں بیٹھ جاؤ، آپ ﷺ اندر چلے گئے اور جونیہ عورت جس کا نام أمیمه بنت نعمان تھا، لاکر ایک مکان میں اتاری گئی۔ اس کے ساتھ اس کی دایہ بھی تھی۔ آنحضرت ﷺ اس کے پاس اندر گئے۔ فرمایا: اپنا نفس بخشو۔ اس نے کہا: کیا کوئی شہزادی کسی بازاری آدمی کو اپنا نفس بخشتی ہے؟ آنحضور ﷺ نے اپنا ہاتھ بڑھایا کہ اس پر رکھیں، تاکہ وہ تسلی پائے، اُس نے کہا: میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں! حضور ﷺ نے فرمایا: تو نے ایک بڑی پناہ مانگی ہے۔ پس آپ ﷺ ہماری طرف نکل آئے، فرمایا: اے ابو اُسید! اس کو دو چادریں رازقیہ پہنا دے اور اس کو اس کے کنبے میں چھوڑ آؤ''!

اس حدیث کا باب (عنوان) امام بخاری نے جو تجویز کیا ہے، وہ یہی بتا رہا ہے کہ جونیہ عورت سے نکاح ہو چکا تھا، چنانچہ باب کے الفاظ یہ ہیں:

''هل یواجه الرجل امرأته بالطلاق''

''کیا مرد اپنی منکوحہ عورت کو طلاق دیتے وقت مخاطب کرے؟''

اس کی ذیل میں یہ حدیث لائے ہیں اور اس سے پہلے حضرت عائشہ سے ایک روایت لائے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

«سألت الزهري أي أزواج النبي ﷺ استعاذت منه»۔

(بخاري، کتاب الطلاق: ۷۹۰) [1]

[1] صحیح البخاري: کتاب الطلاق، باب من طلق وهل یواجه امرأته بالطلاق، رقم الحدیث (٤٩٥٥)

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام زہری سے پوچھا آنحضرت ﷺ کی بیویوں میں سے کس نے أعوذ باللہ کہہ کر پناہ مانگی تھی؟ اس سوال کے جواب میں انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی جونیہ عورت کا قصہ بیان کیا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ وہ عورت بذریعہ نکاح آنحضرت ﷺ کی بیوی ہو چکی تھی۔

ہماری اس توجیہ پر جو روایت کے صاف الفاظ پر مبنی ہے، ایک سوال ہوسکتا ہے کہ اگر بیوی ہو چکی تھی، تو آنحضرت ﷺ نے اس سے ہبۂ نفس کی خواہش کیوں کی اور اس نے پناہ مانگ کر جواب کیوں دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ "هبي نفسك" ہبۂ نفس کے اصلی معنے میں نہیں ہے بلکہ اس کے معنی تواضع اور خاطر داری کے ہیں، جیسے کوئی افسر بھی ماتحت کے کمرے میں جاتا ہوا اخلاقی طور پر کہے: کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ اسی طرح حضور نے اس عورت کو ملاطفت کے طور پر "هبي" فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے: کیا آپ مجھے اجازت دیں گی؟ یہ سوال نکاح کے منافی نہیں، خاص کر اس صورت میں کہ اس نکاح کے متعلق صاف اور صریح الفاظ آ چکے ہیں۔

ہاں جونیہ نے ایسا مکروہ جواب کیوں دیا کہ کوئی شہزادی کسی معمولی آدمی کو اجازت نہیں دے سکتی؟ اس کا جواب خود صحیح بخاری سے ملتا ہے۔ جس کا حوالہ خود مصنف نے دیا مگر اُس نے خود یا اس کو بتانے والے نے وہ الفاظ نقل نہیں کئے، جو اُن کے جواب میں تھے۔ جب اُس عورت نے پناہ مانگی اور آنحضرت ﷺ اس کو چھوڑ کر چلے گئے، تو لوگوں نے اُس سے پوچھا:

«فقالوا لها: أتدرين من هذا؟ قالت: لا، قالوا: هذا رسول الله ﷺ جاء ليخطبك، قالت كنت أنا أشقى من ذلك».

(بخاری، کتاب الأشربة، باب الشرب من قدح النبي، ص: ۸٤۲)[1]

---

[1] صحيح البخاري (٥٣١٤)

''تو جانتی تھی یہ جس نے تجھ سے باتیں کیں کون تھا؟ اس نے کہا: میں نہیں جانتی، لوگوں نے کہا: یہ رسول ﷺ تھے۔ تیرے پاس آئے تھے کہ تجھ سے بات چیت کریں (یہ جواب سن کر) اس نے کہا ہائے میں اس برکت سے بے نصیب ہوگئی''۔

اس روایت میں ''یخطب'' کا لفظ ہے، جس کے معنے ہم نے ''بات چیت یا گفتگو کرنے'' کے کیے ہیں، حالانکہ اس کے معنی ''پیغامِ نکاح دینے'' کے ہیں۔ چونکہ یہی راوی (سہل بن سعد) پہلی روایت میں ''تزوج النبي'' کہہ کر نکاح کا ثبوت صاف لفظوں میں کر چکا ہے، اس لیے حقیقی معنی مراد نہیں ہو سکتے، حسب اصول مجازی معنی لیے جائیں گے۔

پس ساری تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ ایک بیوہ عورت جون قبیلہ سے تھی، آنحضرت نے اس سے باقاعدہ نکاح کیا۔ عند الملاقات اس نے خدا کی پناہ کہہ دیا، جو سُن کر آپ نے اس کو عزت کے ساتھ طلاق دے دی۔

یہ ہے قصہ اس عورت کا، اس پر مصنف ''ھفوات'' کے اعتراض سنیے۔ کیسے بے ہودہ اور عناد سے بھرے ہوئے ہیں۔ مصنف کے الفاظ یہ ہیں:

''اس بیان سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آنحضرت نے بغرض نکاح بلوایا تھا اور جو اس درخواست پر وہ آتی تو ''أعوذ باللّٰه منك'' نہ کہتی۔ پس رسول اللہ کا نامحرم کو دیکھنا اور بغیر مسئلہ شرعی اس سے ہم کلام ہونا، شانِ عصمت کے خلاف ہے، اگرچہ ناعاقبت اندیش مسلمان اعتراض بالا کے دفعیہ میں یہ جواب دیں گے کہ مشاہدۂ قدرت کے لیے اس ماہ جبیں کو بلوایا ہوگا، لیکن عیسائی و آریہ یہ کہیں گے کہ آپ کے پیغمبر بوالہوس تھے کہ ازواج کثیر کے ہونے پر بھی اگر کوئی مہ جبیں سُن پاتے تھے، تو اس کے دیدار سے مشرف ہو جاتے تھے اور جب تک بیزار ہو کر وہ دہائی نہ دے لیتی تھی، اس کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے، الٰہی توبہ توبہ! اقدام زنا کی اس حدیث پر ہم کو جو کچھ آپ بطریق عقل سمجھا دیں،

ہم اُس کے مان لینے کے واسطے تیار ہیں، لیکن زن اجنبیہ پر پیغمبر معصوم کا ہاتھ بڑھانا اور محصنہ اجنبیہ کا دہائی دینا، اس کا آپ کیا جواب دیں گے؟ وہ ہم سے فرما دیجئے'' (ص: ۷، ۸)

اہلحدیث

مصنفِ ''ھفوات'' کے اعتراض کا جواب تو روایت کے الفاظ ہی سے ہم دے آئے کہ نکاح ہو چکا تھا۔ ہاں مصنف موصوف آریوں سے ڈرتا ہے کہ وہ کیا کہیں گے۔

اے جناب! اہلحدیث کی زندگی میں آپ آریوں سے کیوں ڈریں، سنیئے وہ آریہ جن کے ہاں آٹھ قسم کی شادیوں میں سے دو قسم کی شادیاں یہ بھی ہیں، غور سے سنیے اور دلیری سے آریہ سماج میں جا کر سوال کیجئے:

۷۔ لڑائی کر کے جبراً چھین جھپٹ یا فریب سے لڑکی کو حاصل کرنا۔

۸۔ خفتہ (سوئی ہوئی) یا شراب پی ہوئی پاگل لڑکی سے بالجبر ہم بستر ہونا۔

(ستیارتھ پرکاش، طبع اول ص: ۱۶۹)

یہ دو قسم کے بیاہ آریہ سماج کے ہاں مکروہ ہیں، مگر ہیں تو آخر بیاہ کی قسمیں! بتایئے! ان دونوں قسموں کے بیاہوں میں کیا کیا ترکیبیں کی گئی ہیں۔ جبراً لڑکی چھین کر، شراب پی ہوئی پاگل لڑکی سے۔ کرنا۔ اے جناب! کیا آپ ایسے آریوں سے ڈرتے ہیں؟ ایسے آریہ آپ کو ڈرائیں تو ان کو کہہ دیجئے کہ چھلنی چھاج کو کیا کہے، جسے بے حساب چھید ہوں۔

گڑیوں سے کھیلنا

مصنف ''ھفوات'' نے صفحہ ۱۰، ۱۱، ۱۲ پر کسی کتاب ''فردوس آسیہ'' پر کچھ اعتراضات کیے ہیں، جس سے ہمیں سروکار نہیں۔ ہم نہ تو اُس کتاب کو جانتے ہیں نہ اُس کے مصنف کو ہاں ص ۱۳ پر ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گڑیوں اور گڑیوں میں گھوڑے [1] پر اعتراض

---

[1] سنن أبي داود: كتاب الأدب، باب في اللعب بالبنات، رقم الحديث (٤٩٣٢)، سنن النسائي الكبرى: ٣٠٦/٥ (٨٩٥٠)، ابن حبان ١٧٤/١٣، سنن البيهقي: ٢١٩/١٠

کیا ہے کہ یہ شرک ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

”تصویر سایہ دار وذی روح دیکھنے پر رسول کا مانع اور ان کا گھر سے اخراج بلکہ احراق شرط تھا، جو نہیں ہوا، جس کے سبب پیغمبر بشیر ونذیر نہ رہے“.(ص:۱۳)

اہلحدیث

کیسی خام خیالی ہے! اتنا بھی نہیں سوچا کہ گڑیوں کا رکھنا جبکہ شرک قرار ہی نہیں دیا تو اس پر اعتراض کیا؟

سنیے جناب! ایک تو بچیوں کی تفریح طبع ،دوم ان بچیوں کی خود نیت کہ یہ ہماری لڑکیاں ہیں ۔اُن گُڑیون کی تحقیرِ شان کے لئے کافی ثبوت ہے .پس شرک کیسا؟

ہاں آپ پر اثرِ صحبت (رفض) نے جوش مارا ، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر چوک مارنے کو لکھ گئے کہ حضرت نے ابوبکر رضی اللہ عنہ میں شرک پایا ،تو اُن سے فرمادیا :

《 يا صديق الشرك فيكم أخفى من دبيب النمل 》[1]

”اے ابوبکر تم لوگوں میں شرک چیونٹی کی چال سے زیادہ چھپا ہوا ہے“

(إزالة الخفاء،مقصد دوم، ص: ٢٤)

حالانکہ اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجلسِ صحابہ میں بغرض اصلاحِ نفوس عام طور پر فرمایا تھا کہ ابھی تک تم میں شرک خفی باقی ہے ۔ اس پر حضرت صدیق نے عرض کیا کہ حضرت شرک تو یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسری چیز کی عبادت

[1] مسند أبي يعلى الموصلي:١/ ٦٠،الأدب المفرد: ٢٥٠،اس کی سند میں”ليث بن أبي سليم “ضعیف ہے : (الجرح والتعديل:١٧٨/١٣،الضعفاء للنسائي:٩٠، المجروحين:٢٣٢/٢ تهذيب الكمال:٢٧٩/٢٤،تقريب التهذيب:٤٦٤) نیز دیکھیں :مجمع الزوائد:١٠ /٣٨٥. اس کا ایک شاہد بھی ہے (مسندأحمد:٤٠٣/٤،المعجم الأوسط:١٠/٤،مصنف ابن أبي شيبة:٧٠/٦).

لیکن اس میں حضرت ابوبکر رضي الله عنه کے نام کی بھی تصریح نہیں ہے ،مزید برآں اس کی سند میں”أبو علي كاهلي “مجہول الحال ہے ،دیکھیں :الجرح والتعديل: ٤٠٩/٩،تعجيل المنفعة: ٥٠٧. مزید تفصیل کے لیے دیکھیں :العلل للدار قطني: ١٩١/١(١٥).

کی جائے۔ آنحضرت نے فرمایا اسی میں حصر نہیں بلکہ:

《 الشرك أن تقول أعطاني الله وفلان والند أن يقول الإنسان لولا فلا ن لقتلني فلان》. (حواله مذكور)

"شرک یہ ہے کہ تم یہ کہو اللہ نے اور فلاں نے یہ چیز مجھ کو دی ہے اور خدا کا شریک یہ ہوتا ہے کہ کوئی انسان کہے: فلاں اگر نہ ہوتا تو فلاں شخص مجھ کو قتل کر دیتا"۔

یہ اس قسم کی عام اصلاح نفوس ہے، جیسے شیخ سعدی مرحوم نے فرمایا ہے ؎

دریں نوعے از شرک پوشیدہ ہست
کہ زیدم بیازرد و عمر دم بخست ❶

اس کو حضرت صدیق پر چسپاں کرنا غالباً سخن فہمی سے نابلدیت کا اقرار کرنا ہے۔

حالت روزہ میں بوسہ لینا

ص ۱۳ پر حضرت عائشہ کے واقعہ کو بہتان بتایا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

《أن النبی ﷺ كان يقبلها وهو صائم و يمص لسانها 》

(أبوداود - كتاب الصيام - باب الصائم يبلع الريق) ❷

"یعنی آنحضرت روزے میں بیوی کا بوسہ لیتے اور اس کی زبان چوستے تھے"۔

---

❶ یہ کہنا کہ زید پریشان ہوا، یا عمر رنجیدہ ہوا اس میں بھی شرک پوشیدہ ہے۔

❷ سنن أبي داود (٢٣٨٦)، مسند أحمد: ١٢٣/٦، ابن خزيمة: ٢٤٦/٣، سنن البيهقي: ٢٣٤/٤، اس کی سند میں "محمد بن دینار" ہے، یہ آخر میں اختلاط کا شکار ہوگیا تھا، امام ابن عدی فرماتے ہیں: یہ "ويمص لسانها" کے الفاظ کہنے میں متفرد ہے (الكامل: ١٩٨/٦)، امام ابن حبان فرماتے ہیں: "فالإنصاف في أمره ترك الاحتجاج بما انفرد والاعتبار بما لم يخالف الثقات والاحتجاج بما وافق الثقات" (المجروحين: ٢٧٢/٢)۔ اس کے بعد اس راوی کی مذکورہ بالا روایت ذکر کی ہے!

اس حدیث کو امام عبد الحق أشبيلي، ابن القطان، زيلعي اور البانی رحمة الله عليهم نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (نصب الراية: ٣٢٢/٤، ضعيف أبي داود: ٢٣٦، امام ابن أعرابي فرماتے ہیں: بلغني عن أبي داود أنه قال: هذاالحديث غير صحيح"! (حوالہ مذکورہ) =

مصنف اس حدیث پر ان لفظوں میں اظہار رنج کرتا ہے :

"ایمان سے بولو! کیا خدا کے رسول روزہ میں ایسا فعل کر سکتے ہیں، کیا ایسا رسول اُمت کی ہدایت کر سکتا ہے؟ الٰہی توبہ توبہ!!" (ص:۱۳)

اہلحدیث:

ہم حیران ہیں کہ مصنف کو ہم محقق کہیں یا معاندِ حق نام رکھیں، اسی کتاب کے ص ۴ پر خود ہی لکھتے ہیں:

"بحالتِ صوم بوسہ زنان حرام نہیں"

پھر معلوم نہیں حلال فعل بھی ان کے نزدیک ایسا کیوں قابل نفرت ہو گیا ہے کہ اس پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور توبہ توبہ کرتے ہیں!!

ہاں آپ اہلحدیث کو متوجہ کر کے لکھتے ہیں:

"نہ معلوم اہلحدیث حضرات بھی اپنے ادعاء کے مطابق اس حدیث پر عمل کرتے ہیں یا نہیں!" (ص۱۳)

ہم تو فعلِ نبی کا اتباع کرنے کو ہر طرح تیار ہیں، مگر آپ بھی بتا دیں جب آپ کے نزدیک بھی یہ فعل حرام نہیں، تو پھر آپ کو اس کے کرنے پر سوال کیا؟

سنیے خاوند بیوی کا تعلق ایک قدرتی فعل ہے، جتنی لذتیں ان کے ملاپ سے حاصل ہو سکتی ہیں، سب جائز ہیں، تاوقتیکہ کسی خاص لذت سے شرع منع نہ کرے۔ پس جس لذت سے آپ ناک بھوں چڑھائیں، ان کے منع ہونے کا پہلے ثبوت پیش کر لیں، ورنہ خاموش کہ۔

این شور و فغا چیزے نیست [1]

تنبیہ: اگر ضبط کی استطاعت ہو، تو روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا امر مباح ہے، جس کی تفصیل آگے ص:۷۱-۷۲ پر آ رہی ہے۔ صرف اس حدیث میں مذکور آخری حصہ "یمص لسانها" یعنی زبان چوسنا، سنداً صحیح نہیں ہے۔

[1] یہ غل غباڑہ کچھ بھی نہیں۔

ص ۱۴۴ پر ابن ماجہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ

حضرت عائشہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا جھگڑا

''حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: مجھے معلوم نہ تھا کہ حضرت زینب مجھ سے ناراض ہیں اور میں بے اجازت (اُن کے گھر میں) چلی گئی۔ انھوں نے کہا: یارسول اللہ! جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی چھوکری اپنی کرتی اُلٹ دے تو آپ کو کافی ہے؟''

اہلحدیث

اس روایت میں مذکور ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کے پاس تھے۔ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) بے خبری میں اس کے گھر چلی گئیں، تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو غصہ کی حالت میں پایا۔ یہ دیکھ کر فوراً واپس آنے لگیں، تو جیسا سوکنوں کا دستور ہے زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو بُرا بھلا کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو مظلوم جان کر جواب دینے کی اجازت بخشی۔ اس پر زینب رضی اللہ عنہا نے غصے کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا، جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے اس لیے اس کو اجازت دی ہے کہ یہ آپ کی محبوبہ ہے، اس کا ذرا سا ناز کرنا آپ کو مائل کرنے کے لیے کافی ہے۔ (ابن ماجہ)[1]

اس لفظ کا مطلب صاف ہے، زینب رضی اللہ عنہا اپنے خاوند سے بے تکلف بولتی ہے، خاص کر غصے کی حالت میں بولتی ہے، جس کا کوئی معیار نہیں ہوسکتا، مگر معترض کو ہمیشہ اُلٹی سوجھتی ہے، پہلے تو وہ اس کا مطلب یوں ادا کرتا ہے:

[1] سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب حسن معاشرة النساء، رقم الحديث (١٩٨١)، مسند أحمد: ٩٣/٦، السنن الكبرى للنسائي: ٢٩٠/٥، ٢٩١۔

امام بوصیری فرماتے ہیں: ''اس کی سند صحیح اور رواۃ ثقہ ہیں اور اس کی سند میں زکریا بن أبي زائدة ہے، جو تدلیس کرتا ہے!''

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت زینب رضي الله عنها غصہ کی حالت میں بدوں اجازت حضرت عائشہ رضي الله عنها کے ہاں داخل ہوئیں، نیز دیکھیں: فیض القدیر: ٥٣٤/٣

"یعنی آپ کی عقل زائل کرنے کے واسطے عائشہ رضی اللہ عنہا کا جزو بدن نظر آنا کافی ہے۔معاذ اللہ"

حالانکہ اس کا مطلب بجائے خود اتنا ہی ہے، جو ہم اوپر بتا آئے ہیں۔اس بے عقلی پر قناعت نہ کر کے مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

"کیوں مسلمانو! تمہارے رسول ایسے ہی تھے، جیسا کہ حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کا مقولہ راوی نے بیان کیا، اور کیا امہات المومنین ایسی گستاخ و بے ادب تھیں کہ وہ رسولِ خدا سے ایسا کلام کر سکتی تھیں۔الٰہی توبہ توبہ!!" (ص:۱۴)

اہلحدیث

ہاں صاحب! ہمارے ہاں یہی بات ہے کہ شریعت نے بیوی کو خاوند کی لونڈی یا غلام نہیں بنایا، وہ اپنے حقوق کے حاصل کرنے میں مستقل آزاد ہے، خاوند چاہے نبی ہو بحیثیت خاوند، عورت اس سے نرم سخت کلام کرنے کا حق رکھتی ہے، سنو!

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾. (پ ۲ ع ۱۲) [1]

"عورتوں کے بھی مردوں پر حقوق ہیں، جس طرح مردوں کے عورتوں پر حق ہیں"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف کینہ پروری

اس کے آگے پھر ایک نوٹ لکھا ہے:

نوٹ: "حدیث میں" خذوا شطر دینکم عن الحمیراء" ہے [2] یعنی

---

[1] البقرة:۲۲۸

[2] یہ حدیث "موضوع" ہے، اور اس کی کوئی سند نہیں اور نہ ہی کتب حدیث میں کہیں مسند مروی ہے. حافظ ابو الحجاج المزی فرماتے ہیں: مجھے اس کی سند کا کوئی علم نہیں!، حافظ ذہبی فرماتے ہیں: "هو من الأحاديث الواهية التي لا يعرف لها إسناد"!، حافظ ابن کثیر نے اسے "منکر" قرار دیا ہے، حافظ ابن قیم نے بھی اس حدیث کو "موضوع" قرار دیا ہے. دیکھیں: المنار المنیف:۵۹، نقد المنقول: ۵۱ كلاهما لابن القيم، الموضوعات لملّا علي القاري: ۱۹۸ (۱۸۵)، الدرر المنتثرة: ۲۱۸، الفوائد المجموعة:۳۹۹، كشف الخفاء (۱۱۹۸)، تحفة الأحوذي: ۲۵۹۱۰، إرواء الغليل:۱/۱۰.

آنحضرت نے فرمایا کہ عائشہ سے آدھا دین حاصل کرو اور جناب ام المؤمنین کی کثرتِ مرویات پر علماء اسلام نے آپ کو مجتہدہ بھی مانا ہے اور یہ مجتہدہ خلافِ قرآن بے اجازت حضرت زینب کے ہاں چلی گئیں، [1] تو اس صورت میں انکا مجتہدہ رہنا برقرار رہایا خلافِ قرآن اجتہاد جائز ہو گیا"۔(ص:۱۴)

اہلحدیث

قرآن مجید میں بے شک ارشاد ہے:

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰى أَهْلِهَا﴾. (پ۱۸ ع ۱۰) [2]

اے مسلمانو! گھروں والوں کے سوا کسی گھر میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ اجازت حاصل کرلو اور گھر والوں پر سلام کہہ لو"۔

لیکن اس حکم کی بناء پردہ پوشی پر ہے۔ حضرت عائشہ ایک تو خود عورت تھیں، دوم اس نے جانا کہ اس گھر میں جو مرد ہے وہ میرا خاوند ہے، اس خیال سے چلی گئی۔ باوجود اس کے وہ اعتراف کرتی ہیں کہ کام مجھ سے خطا ہو گیا، اس لیے اس کا ذکر خاص لفظوں میں انھوں نے کیا ہے۔ نہیں معلوم آپ کو بصحبت شیعہ اپنی ماں بلکہ کل مومنوں کی ماں سے کیوں خار ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کھیل دیکھنا

ص۱۴ پر حضرت عائشہ کی ایک روایت نقل کی ہے:

"بخاری، باب أصحاب الحرب میں حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ حبشی ہتھیاروں سے کھیل رہے تھے اور آنحضرت اپنی چادر سے مجھے چھپائے

---

[1] حضرت زینب رضي الله عنها بغیر اجازت داخل ہوئیں تھیں، نہ کہ حضرت عائشہ رضي الله عنها جیسا کہ گزر چکا ہے۔

[2] النور: ۲۷

ہوئے تھے اور میں اُن کا ناچ دیکھ رہی تھی'' [1]

حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ لڑکیاں گا رہی تھیں، اُن سے جناب ابوبکر نے فرمایا کہ پیغمبر خدا کے پاس شیطانی آواز کا کیا کام؟ اس پر آنحضرت نے فرمایا: اے ابوبکر گانے دو'' [2] (ص:۱۵)

اس روایت پر جناب مُنصِف مزاج مصنف نے اعتراض کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

''جناب عائشہ کا نامحرموں پر نظر ڈالنا اور بجائے منع کرنے کے رسول خدا کا نامحرموں پر نظر ڈلوانا، کس قدر عصمت رسول کے خلاف ہے، اس سے زیادہ عجیب تر یہ بات ہے کہ حضرات شیخین رقص وسرود سے مانع ہوں، شیطانی کام بتائیں اور رسول مانع نہ ہوں اور نہ شیطانی کام سمجھے، حیرت ہے! اب بتاؤ رسول اللہ ایسے سبک فہم تھے کہ شیخین کے ٹوکنے پر بھی کچھ نہ سمجھے، بلکہ اُن کے خلاف بني أرفده کو اور ناچنے کی اجازت دی، اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت غیور نہ تھے اور احکام قرآن کے خلاف عمل کرتے تھے۔ کیونکہ حضرت عائشہ کی آڑ کرنے سے واضح ہو گیا کہ ناچ دکھانے کا واقعہ آیۂ حجاب کے نزول کے بعد کا ہے اور وہ بھی بہائمی صفت کے ساتھ یعنی حضرت عائشہ کا رخسار اپنے رُخسار پر رکھوا کر نامحرموں کے سامنے اپنی ناموس کو برباد کر دینا یہ سب پر طرہ!'' (ص:۱۵)

اہلحدیث

آپ کے فہم وفراست کی ہم کہاں تک داد دیں، آپ خود ہی صحیح بخاری کا نام

---

[1] صحيح البخاري: أبواب المساجد، باب أصحاب الحراب في المسجد، رقم الحديث (٤٤٣)، صحيح مسلم: كتاب صلاة العيدين، باب الرخصة في اللعب الذي لا معصية فيه، رقم الحديث (٨٩٢).

[2] صحيح البخاري: كتاب العيدين، باب الحراب والدرق يوم العيد، رقم الحديث (٩٠٧)، صحيح مسلم: كتاب صلاة العيدين، باب الرخصة في اللعب الذي لا معصية فيه، رقم الحديث (٨٩٢)

لیتے ہیں، کتاب بلکہ باب بھی لکھتے ہیں، مگر حدیث کے الفاظ پر غور نہیں کرتے ۔

سنیے جناب! صحیح بخاری کے الفاظ میں صاف موجود ہے کہ حبشیوں کا یہ فعل جنگی کرتب تھا۔ چنانچہ اخیر میں الفاظ ہیں:

«والحبشة يلعبون بحرابهم» ❶

''یعنی حبشی فوجی جنگی کرتب کر رہے تھے''

مطلب یہ ہے کہ حبشی لوگ مسجد نبوی میں جنگی مشق کر رہے تھے۔ نہ کوئی ناچ تھا، نہ تماشہ۔ بلکہ جنگی کرتب تھا۔ مسجد میں اس کرتب کا ہونا ہی بتا رہا ہے کہ ناجائز فعل نہ تھا، بلکہ از قسم عبادت تھا، جس کو معترض اپنے سوء فہم سے کبھی ناچ کہتا ہے، کبھی لہو ولعب کہتا ہے۔ حالانکہ یہ کچھ بھی نہ تھا۔ بلکہ ایک فعل از قسم عبادت تھا، جس کا دیکھنا بھی ثواب سے خالی نہ تھا۔ حضرت عائشہ خود کہتی ہیں اور معترض خود نقل کرتا ہے کہ ''چادر میں چھپ کر میں دیکھتی تھی،'' ❷ لڑکیوں کا گانا بجانا بذات خود جائز تھا، مگر ابو بکر صدیق نے اپنے خیال میں بوجہ شور وشرابہ ناجائز سمجھ کر حضور رسالت میں ان کو روکا تھا۔ حقیقت میں روکنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

اس سے بڑھ کر صرف عقل کے برخلاف نہیں، بلکہ شرم وحیا کے برخلاف بھی مصنف نے نہایت دلآزار اور رنجیدہ نتیجہ نکالا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں :

> **نتیجہ!** نامحرموں کی مجلس لہو ولعب ورقص وسرود میں ازواج کا لے جانا، امام بخاری نے حلال کر دیا۔ اب زمانہ حال کی پالیسی کے لیے ناچ گھروں کو رونق دینی چاہیے اور جو کوئی عقل کا دشمن حجابِ نسواں کا حامی ایسے امور میں مانع ہو تو امام بخاری کی ان احادیث کو دکھا کر شرمندہ بلکہ خارج عن الاسلام کر دینا چاہیے، کیونکہ وہ آیات ﴿أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ❸ اور ﴿أَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ ❹

---

❶ صحيح البخاري: ١٧٣/١ (٤٤٣)

❷ مصدر سابق .

❸ الأحزاب: ٢١ (بہترین نمونہ)

❹ النساء: ٥٩ (رسول کی اطاعت کرو)

اور ﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ [1] کے خلاف اصرار کرتا ہے۔" (ص:۱۵)

اہلحدیث

کہاں مسجد کے واقعہ کو جو از قسم عبادت ہے۔ مستورات کا اپنے مکان پر سے منہ چھپا کر دیکھنا اور کہاں فحش اور بے حیائی (رقص وسرود) کا مجمع؟ اللہ اللہ! ایسے بھی حق وانصاف کے مدعی ہوں تو بے ساختہ کہا جائے گا ؎

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اس نے دیکھے ہی نہیں نازو نزاکت والے

ص۱۶ پر تاریخ بغداد سے ایک روایت نقل کی ہے، جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برخلاف ہے، اس کے ہم ذمہ دار نہیں، تاریخ بغداد ہماری کوئی مذہبی کتاب نہیں،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف کینہ پروری

ہاں ص۱۷ پر مشکوٰۃ شریف سے وہ حدیث نقل کی ہے، جس میں ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو اپنے نعلین دے کر بھیجا کہ منادی کر دے جو کوئی لا إله إلا الله دل سے پڑھے گا، نجات پائے گا۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) اس کو آگے سے ملے آپ نے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو منع کیا، وہ نہ رکا، تو بزور اس کو روکا اور دونوں دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے، [2] حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) پر الزام لگا کہ سرکاری کام میں اس نے روک ڈالی ہے، حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے عذر کیا کہ میری نیت بد یا ذاتی فائدہ کی نہیں ہے، بلکہ قومی فائدہ مدنظر ہے، وہ یہ ہے کہ کم فہم لوگ اس فرمانِ شاہی کا مطلب صحیح نہ سمجھیں گے۔ اس لیے وہ اعمالِ خیر میں سست ہو کر شریعت کو بیکار کر دیں گے، آپ ان کو عمل کرنے دیں۔ اس

---

[1] آل عمران: ۳۱ (میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا)

[2] صحيح مسلم: كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعا، رقم الحديث (۳۱)

طرح فرمان شاہی کی تعمیل بھی ہوتی رہے گی اور مسلمانوں کی ترقی مدارج بھی ہوگی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس خلوص نیت' سے یہ درخواست اور جرأت کی تھی، ویسی ہی دربار رسالت میں قبول ہوئی، اب اس پر معترض کی چہ میگوئی سنیے! لکھتے ہیں :

''کیوں مسلمانو! کیا صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے تھے کہ جو بات رسولِ خدا نہ فرماتے، وہ ان کی طرف منسوب کر دیتے تھے؟ جس مصیبت کے سبب رسولِ خدا نے نعلین مبارک دیں، تاکہ ابوہریرہ پر جھوٹ کا شبہ نہ ہوسکے، کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے گستاخ و بے ادب تھے کہ وہ مامور من الرسول کو مار کر اِہانتِ غلام اِہانتِ مولیٰ کے مصداق بنتے؟ کیا رسول اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ قوی و شجیع نہ تھے کہ اُن کو مروڑ کر پیوندِ زمین کر دیتے؟'' (ص:۱۸)

اہلحدیث

بے شک حضرت عمر دوراندیشی کے ساتھ ایسے دلیر تھے، جو ان کا خاصہ تھا، اور بے شک حضور (علیہ السلام) بھی ایسے شہ زور تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے سینکڑوں کو ہاتھ سے نہیں، بلکہ ابرو کے اشارے سے مروڑ کر بند کر دیتے۔ باوجود اس کے نہیں کیا تو کیا وجہ؟ وجہ یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ کی نیت نیک اور مشورہ پسند ہوا، جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کے اعتراض کرنے پر حکم دیا تھا کہ میرے نام کے ساتھ ''رسول اللّٰہ'' کاٹ دو۔ مگر علی رضی اللہ عنہ نے کمال نیک نیتی سے عرض کیا کہ مجھ سے تو یہ کام نہیں ہوسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا مجھے بتاؤ میں کاٹ دیتا ہوں، چنانچہ چھری سے ''رسول اللّٰہ'' کا لفظ کاٹ کر ''بن عبداللّٰہ'' لکھوادیا۔[1] کیا علی رضی اللہ عنہ نافرمان ہوئے؟ خوارج تو ہاں کریں گے،

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الخمس، باب المصالحة على ثلاثة أيام أو وقت معلوم، رقم الحديث (۳۰۱۲)، صحيح مسلم: كتاب الجهاد والسير، باب صلح الحديبية في الحديبية، رقم الحديث (۱۷۸۳).

حدیثِ مذکور میں ''چھری سے کاٹنا'' کے الفاظ نہیں مل سکے، البتہ محولہ بالا حدیث میں ہاتھ سے مٹانے کے الفاظ مذکور ہیں، واللہ أعلم!

مگر شیعانِ علی ہاں نہیں کر سکتے' بلکہ علی رضی اللہ عنہ کی تحسین کریں گے اور بزبان قال یہ شعر پڑھیں گے:

مست مئے الست ہوں تو بد گمان نہ ہو
اے شیخ میری شورشِ مستانہ دیکھ کر

باقی جو کچھ آپ نے اس کے متعلق کہا ہے، وہ پرانا رنج ہے، جو شیعانِ علی کو دامادِ علی سے قدیم الأیام سے چلا آیا ہے، جس کا علاج شیخ سعدی کے الفاظ میں اتنا ہی ہے۔

بمیرتا برہی اے حسود کایں رنجیست !
کہ از مشقت آں جز بمرگ نتواں است

"اے حاسد، مرجا کیونکہ جو غم تمھیں لاحق ہے اس سے چھٹکارا مر کر ہی ملے گا۔"

تابیر نخل والا واقعہ

ص۱۹ پر تابیر نخل والی حدیث کا ذکر کیا ہے، یعنی کھجوروں کو پیوند کرنے کی بابت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر نہ کرو، تو کیا حرج ہو! چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیوند نہ کیا۔ کھجوریں بھر کر نہ ہوئیں، حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں جب تم کو دین کی بابت حکم دوں، تو تم اس کو واجب العمل جانو اور جب کسی دنیاوی امر کے متعلق کہوں، تو وہ واجب العمل نہیں کیوں کہ دنیا کے کام تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔ [1]

قابل معترض اس پر اعتراض کرتا ہے اور کیسے نرم الفاظ میں اپنے دیرینہ کینہ کا اظہار کرتا ہے، سنیے:

"بے وقوف راوی یہ نہ سمجھا کہ انبیاء کی شکل وہیئت جسمانی اور اقطار ثلاثہ تو واقعی عام انسانوں کے سے ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کے قوائے عشرہ یعنی شامہ، سامعہ، باصرہ، لامسہ، ذائقہ اور اسی طرح حس مشترک، خیال، وہم، حافظہ،

---

[1] صحیح مسلم: کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قاله شرعا دون ماذکره ﷺ من معایش الدنیا علی سبیل الرأي، رقم الحدیث (۲۳٦۲، ۲۳٦۳)

متفکرہ یہ عام انسانوں کے سے نہیں ہوتے۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے چالیس منزل سے بوئے یوسف علیہ السلام سونگھ لی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹے کی بات سُن لی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ نے اثر نہ کیا اور قبل جنگِ خندق آنحضرت ﷺ نے ملک شام وروم مدینہ میں سے دیکھ لیے اور شبِ معراج میں مدینہ سے بیت المقدس اور وہاں سے سماوات سبعہ وعرش وکرسی و جنت ودوزخ دیکھ کر آن واحد میں واپس آ گئے۔ پس تمثیل ''اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ'' تمثیل بشریت شکل وہیئت اور حوائج میں ہے نہ کہ قوائے بشری میں، چونکہ انبیاء ورسل درجات عقلی پر خواہ شہودی ہوں یا ملکی، ان سب کے طے کرنے کے بعد درجہ نبوت و رسالت پر پہنچتے ہیں، اور اجتہاد مفید ظن ہوتا ہے اور انبیاء کا عمل بواسطہ وحی الٰہی مفید یقین ہوا کرتا ہے۔ اس لیے انبیاء پر اجتہاد حرام، لہٰذا صاف ﴿وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی﴾ [1] کی نسبت خطا یا صواب کا احتمال کفر ہے، پس ان وجوہ سے یہ حدیث باطل!'' (ص:۲۰)

اہل حدیث

لمبی تقریر بعض لوگوں کو ایسی پسند ہے کہ اُستاد غالب کو کہنا پڑا ۔

ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی!

عجیب چیز ہے یہ طول مدعا کے لیے!

اے جناب! آپ کی ساری تقریر کا لب لباب آخری فقرہ ہے۔ جس پر آپ نے ﴿وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی﴾ [2] دلیل پیش کی ہے۔ بہت خوب! آپ کے فحوائے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نبی کے ہر کلام اور ہر فقرے کو اس آیت کے ماتحت الہامی جانتے ہیں، پس فرمائیے! جب حضور نے منافقوں کو میدان جنگ سے گھر کو چلے جانے کی

---

[1] النجم : ۳

[2] النجم : ۳

اجازت فرمائی تھی، وہ فقرات بھی حضور کے الہامی تھے، تو فرمانِ الٰہی کیوں نازل ہوا تھا:

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ﴾ ❶

''خدا آپ کو معاف کرے، آپ نے ان کو کیوں اجازت دی!''

اگر یہ الفاظ آیت ﴿مَا يَنْطِقُ﴾ سے باہر ہیں، تو کھجوروں کی بابت مشورہ بھی باہر ہے، فرق صرف یہ ہے۔

تو آشنائے حقیقت نئی خطا اینجاست ❷

غیر اللہ والا ذبیحہ کھانا

مصنف ''ھفوات'' نے ص ۲۱ پر صحیح بخاری سے ایک حدیث لکھی ہے، جو مع اُن کے ترجمے کے نقل کی جاتی ہے:

« قال أخبرني سالم أنه سمع عبد الله يحدث عن رسول الله ﷺ أنه لقي زيد بن عمروبن نفيل بأسفل بلدح وذاك قبل أن ينزل على رسول الله ﷺ الوحي فقدم إليه رسول ﷺ سفرة فيها لحم فأبى أن ياكل منها ثم قال : "إني لا آكل مما تذبحون على أنصابكم ولا آكل إلا مما ذكر اسم الله عليه »

(كتاب الذبائح ، باب الذبح على النصب) ❸

''سالم نے اپنے باپ عبداللہ بن عمر سے سنا کہ آنحضرت زید بن عمرو بن نفیل سے مقام بلدح میں ملے، یہ اس وقت کا ذکر ہے کہ جب آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی تھی، یعنی رسول نہیں ہوئے تھے، آنحضرت نے زید کے سامنے

❶ التوبة : ٤٣

❷ ''تمھیں حقیقت سے واقفیت نہیں، غلطی اسی جگہ پر ہے''

❸ صحيح البخاري : كتاب الذبائح،باب ماذبح على النصب والأصنام،رقم الحديث (٥١٨٠)

دسترخوان بچھایا اور گوشت رکھا۔ زید نے اُسے کھانے سے انکار کیا پھر کہنے لگا: میں اُن جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا، جس کو تم بتوں کے تھانوں (یعنی دیویوں و مندروں) پر چڑھاتے ہو اور میں اُس جانور کا گوشت کھاتا ہوں، جو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔"

اہلحدیث

اس عربی عبارت میں تو صرف دو جگہ غلطیاں ہیں۔ جو ہم نے صحیح کر دی ہیں، ترجمہ میں مصنف نے بہت ٹھوکر کھائی ہے۔ ہمارے خیال میں صحیح ترجمہ کر دینا ہی مصنف کے غیظ و غضب کا مکمل علاج ہے۔ ناظرین مصنف کے ترجمہ میں اتنا حصہ پھر ذرہ دیکھ لیں جس پر ہم نے خط کھینچا ہے، بس یہی فساد کی جڑ ہے۔

صحیح ترجمہ یوں ہے :

"آنحضرت ﷺ کے آگے دسترخوان کیا گیا۔ آپ نے اس کے کھانے سے انکار کیا اور فرمایا میں اُن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا کرتا۔ جن کو تم لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہو!"

مطلب یہ کہ انکار آنحضرت ﷺ کا فعل ہے، جس کو مصنف "ھفوات" نے زید بن عمرو کا قرار دے کر اپنی بے سمجھی کا ثبوت دیا ہے، ہمارے ترجمہ کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری مطبوعہ مصطفائی میں اس جگہ دو نسخے لکھے ہیں، ایک میں محض "إلیٰ" ہے، دوسرے میں جو متن میں ہے "إلیه" ہے، مگر اس کے ساتھ ہی "رسول اللہ" کی لام پر جر لکھ کر اشارہ کیا ہے کہ "رسول" کا لفظ "إلیه" کی ضمیر مجرور سے بدل ہے، تقدیر کلام یوں ہے:

((قدم إلی رسول الله سفرة))[1]

"یعنی آنحضرت کے سامنے دسترخوان بچھایا گیا۔"

---

[1] صحیح بخاری کی ہی ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں :
"فقدمت إلی النبي ﷺ سفرة فأبی أن یأکل منها ثم قال زید......"

زید بن عمرو کی محض شرکت ہے، انکاری قول آنحضرت ﷺ کا ہے۔
پس مصنف معترض کا سارا تار و پود ٹوٹ گیا، الحمد للہ

آنحضرت ﷺ کا برہنہ ہونا

ص۲۲ پر بخاری کی حدیث کے حوالہ سے لکھا ہے:

''کعبہ کی ترمیم میں آنحضرت اپنے چچا عباس کے کہنے سے ایک دن بالکل ننگے ہو گئے اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے، اُس کے بعد پھر کبھی ننگے نہ ہوئے''

اس پر جن سنگین لفظوں میں نتیجہ نکالا ہے، وہ مصنف کی شدتِ قلب کا ثبوت دیتے ہیں، لکھا ہے:

نتیجہ ''ننگ اسلام راوی نے پیغمبر خدا کو بے ہوش کر کے جو گرایا ہے، وہ اس نیت سے کہ جو کچھ ستر باقی رہ گیا تھا، وہ بھی کھل گیا۔ معاذ اللہ!''

اہلحدیث

اب ہم حدیث کے اصل الفاظ ناظرین کے سامنے رکھ دیتے ہیں، مصنف نے ''باب الصلوة في الجبة الشامية'' کا حوالہ دیا ہے۔ یہ تو غلط ہے۔ اس باب میں یہ حدیث نہیں ہے۔ مصنف نے سُنے سنائے حوالہ دے دیا۔ اصل میں یہ حدیث اس کے آگے'' باب كراهية التعري'' میں درج ہے، بہر حال حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

《 إن رسول الله ﷺ كان ينقل معهم الحجارة للكعبة وعليه إزاره فقال له العباس عمه يا ابن أخي لوحللت إزارك فجعلت على منكبيك دون الحجارة قال فحله فجعله على منكبيه فسقط مغشيا عليه فما رئي بعد ذلك عريانا》.

(بخاري: كتاب الصلوة، باب كراهية التعري في الصلوة وغيرها) [1]

---

[1] صحيح البخاري : كتاب الصلاة ، باب كراهية التعري في الصلاة وغيرها، رقم الحديث (٣٥٧)، صحيح مسلم : كتاب الحيض ، باب الاعتناء بحفظ العورة ، رقم الحديث (٣٤٠)

''آنحضرت ﷺ اُن قریشیوں کے ساتھ کعبہ کے پتھر ڈھو رہے تھے اور آپ نے تہہ بند باندھا ہوا تھا۔ چچا عباس نے کہا: بیٹا! اگر تم اپنا تہہ بند کھول کر اپنے کندھے پر رکھ کر پتھر اٹھاؤ، تاکہ تم کو آسانی ہو۔ چنانچہ آپ نے تہہ بند کھول کر کندھوں پر رکھ لیا۔ پس ایسا کرتے ہی آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے، اس کے بعد کبھی ننگے نہیں دیکھے گئے۔''

یہ تو معترض کو بھی تسلیم ہے کہ یہ واقعہ قبل از نبوت کا ہے۔ عرب کے رواج کے مطابق حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے برہنہ ہونے کو عیب نہ جانا۔ ہمدردی سے کہا کہ تہہ بند کو پتھروں کے نیچے کندھے پر رکھ لو، پتھر کے بوجھ کی تکلیف نہ ہوگی۔ آنحضرت ﷺ بھی اس وقت چونکہ نہ نبی تھے، نہ کسی شریعت کے ماتحت، بلکہ آپ کی حالت بالکل وہی تھی، جو قرآن مجید نے بتائی ہے :

﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾. ❶

''نبوت سے پہلے تو نہیں جانتا تھا کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے۔''

بفرضِ محال اگر آنحضرت کے باہوش رہ کر برہنگی میں پتھر اٹھانے کا ذکر حدیث میں ہوتا، تو بھی اس حدیث کی سند پر کوئی اعتراض نہ ہوتا، کیونکہ ایمانیات اور شرعی احکامات سے بے خبر جو کچھ بھی گذرے، بے جا نہیں۔ مگر حدیث شریف میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ جوں ہی برہنہ ہوئے، بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر کبھی ننگے نہ دیکھے گئے جس حال میں کہ قریش میں ننگا ہونا عیب نہ تھا، آنحضرت ﷺ کا ننگے ہونے پر بے ہوش ہو کر ہمیشہ کے لیے متنبہ ہو جانا، کمال اظہارِ فضیلت ہے۔

ایک اہل انصاف کی نظر میں یہ حدیث آنحضرت ﷺ کے قبل نبوت کمالات کا اظہار کرتی ہے۔ مگر بقول سعدی مرحوم ؎

---

❶ الشوریٰ : ٥٢.

گل ست سعدی ودر چشم دشمنان خارست [1]

معترض کو جائے اعتراض ہے، جس کا جواب یہی ہے

تو آشنا ئے حقیقت نئی خطا اینجا ست

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

مصنف "ھفوات" نے ص۲۳ پر بخاری کی اُس حدیث پر اعتراض کیا ہے، جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کوڑے کے ایک ڈھیر کے پاس کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ [2] مصنف کے نزدیک یہ فعل ایسا بُرا ہے کہ بطور نتیجہ لکھتا ہے:

"نتیجہ حقیقی یہ نکلا کہ آنحضرت بھی جہلائے عرب میں شمار کیے جائیں" (ص:۲۳)

لطف یہ ہے کہ یہ آپ کو بھی تسلیم ہے کہ بغیر عذر ایستادہ پیشاپ کرنے سے یہ نتیجہ بر آمد ہوتا ہے، پس سنیے!

اس میں شک نہیں چنانچہ آپ نے خود ہی تسلیم کیا ہے (ص۲۳) کہ بہت سی روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کھڑے بول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں گندے ڈھیر کے پاس ساری زمین (جیسا کہ دیہات میں دستور ہے) گندی ناپاک تھی، بیٹھنے سے کپڑے بلکہ بدن بھی نجس ہونے کا خطرہ تھا، [3] اس لیے حضور ﷺ نے کھڑے کھڑے بول کر دیا، یہ نہیں کہ عادت ہی ایسی تھی۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جو کوئی یہ کہے کہ "كان يبول قائما" [4]

---

1. سعدی پھول ہے لیکن دشمنوں کی آنکھ میں کانٹا ہے۔
2. صحيح البخاري: كتاب المظالم، باب الوقوف والبول عند سباطة قوم، رقم الحديث (٢٣٣٩)، صحيح مسلم: كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، رقم الحديث (٢٧٣).
3. امام ابن حبان رحمہ اللہ نے بھی کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا یہی سبب قرار دیا ہے، دیکھیں: (صحيح ابن حبان: ٤/٢٧٣)
4. سنن الترمذي: أبواب الطهارة، باب ماجآء في النهي عن البول قائماً، رقم الحديث (١٢)، قال الترمذي: "حديث عائشة أحسن شيء في الباب وأصح"، وسنن النسائي: كتاب الطهارة ==

آنحضرت ﷺ ہمیشہ کھڑے بول کیا کرتے تھے، وہ جھوٹا ہے۔ پس اس کی مثال ایسی ہے کہ نماز میں فرض ہے کہ قیام کرے، یعنی کھڑے ہو کر نماز ادا کرے، لیکن عذر ہو تو بیٹھ کر بھی جائز ہے، نہیں معلوم ایسے امور پر معترض ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

وطي في دبر النساء

ص۲۴ پر تفسیر کبیر سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ عورتوں کے ساتھ وطي في الدبر (پیچھے سے جماع کرنا) حلال ہے، آپ نے فرمایا حلال ہے۔ معترض نے اس پر بڑی سختی سے زبان دارزی کی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

''کیوں مسلمانو! کیا رسولِ خدا ایسے ہی اخلاق کی تعلیم دینے آئے تھے؟ کیا ایسا رسول رحمة للعالمین کہا جا سکتا ہے؟ جو جبن (بزدلی) اور نامردی پھیلائے اور قطع نسل انسان کے فعل کو حلال بنائے؟ لاحول ولا قوة إلا بالله ۔ یہ حدیث قطعاً موضوع ہے۔'' (ص:۲۵)

اہلحدیث

پنجاب میں ایک قصہ مشہور ہے کہ کسی شخص کا نام ''خدا بخش'' تھا، اس سے کسی چلتے پرزے نے پوچھا: آپ کا نام کیا ہے؟ اُس کے منہ سے ابھی ''خدا'' ہی نکلا تھا کہ اُس نے شور مچا دیا کہ لا حول ولا قوة دیکھو رے کیسا مردود ہے، کہتا ہے: میں خدا ہوں۔ یہی حال ہمارے معترض صاحب کا ہے۔ آیئے جناب! ہم آپ کو ساری حقیقت سناتے ہیں۔ بغور سنیے اور اپنی ناواقفی یا ''دیانت'' کی داد دیجئے، روایت یوں ہے:

《 أن رجلا سأل النبي ﷺ عن إتيان النساء في أدبارهن فقال النبي ﷺ: " حلال " فلما ولى الرجل دعاه قال: " كيف قلت

= باب البول في البيوت جالسا، رقم الحديث (۲۹) ولفظ الحديث: "من حدثكم أن النبي ﷺ كان يبول قائما فلا تصدقوه" وفي لفظ ابن حبان (۱٤۳۰): "من حدثكم أن نبي الله ﷺ كان يبول قائما فكذبه......".

اس حدیث کو امام ابن حبان، حاکم، ذہبی اور البانی رحمة الله عليهم نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

في أي الخربتين أو في الخرزتين أو في أي الخصفتين أو من قبلها في قبلها فنعم أو من دبرها في قبلها فنعم أو من دبرهافي دبرها فلا إن الله لا يستحي من الحق لا تأتوا النساء في أدبارهن"».[1]

(تفسیر کبیر:۲/۲٤۲زیرآیت﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾)

''ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ عورتوں کو پیچھے سے ملنا جائز ہے؟ فرمایا جائز ہے۔ جب وہ چلا گیا تو اُسے بلایا۔ فرمایا: عورت کو آگے سے ملنا اگلی جانب میں تو ٹھیک، پیچھے سے اگلی جانب میں دخول کرنا بھی ٹھیک ہے، پچھلی جانب سے پچھلی جانب میں کرنا جائز نہیں۔اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا سنو! تم لوگ عورتوں کی پچھلی جگہ (دُبر) میں جماع مت کیا کرو!''

آپ نے تفسیر ''فتح البیان'' کا حوالہ بھی دیا ہے۔اُس میں بھی یہ روایت بعینہا ملتی ہے، ملاحظہ ہو:۱/۲۸۷،مصری،زیرآیت: ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾)

پس بتایئے !اب ہم آپ پر کیا گمان کریں؟ دوحال سے خالی نہیں ۔ یا تو آپ بذاتِ خود علومِ عربیہ سے جاہل ہیں ۔ یا پرلے درجے کے بددیانت اور حق پوش ہیں،[2] جس تفسیر کا آپ حوالہ دیتے ہیں،اُسی میں آپ کا جواب موجود ہے، بلکہ ساری روایت دیکھنے سے سوال ہی نہیں پیدا ہوسکتا، تاہم آپ ناحق اہلِ سنت کو عموماً اور محدثین کو خصوصاً بدنام کرنے کو کس دیدہ دلیری سے آدھی روایت بیان کرتے ہیں کہ مشہور مثال ''بکف چراغ داشتہ''[3] بھی ماند ہو جاتی ہے،پھر کہلانے کو آپ ہیں ''محقق'' اور ''مدقق''۔کیا سچ ہے۔

---

[1] مسند الشافعي:۲۷۵(۱۳۲۲)،شرح معاني الآثار:۳/٤۳،سنن البيهقي:۷/۱٦۹،الآحاد و المثاني:٤/۱۱٦،نیز دیکھیں :إرواء الغليل،آداب الزفاف : ۳۲.

[2] مثال ہے:''چہ دلاوراست دزدے کہ بکف چراغ دارد'' وہ چور کتنا دلیر جو ہاتھ میں چراغ لیے ہو۔ یعنی چوری اور سینہ زوری!

[3] معترض کی دیدہ دلیری دیکھیے کہ امام رازی نے مذکورہ بالا حدیث کو ان لوگوں کے دلائل میں=

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اُس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

پس آپ کو اختیار ہے کہ آپ ان دولقبوں "جاہل" اور "بددیانت" میں سے جونسا اپنے لائق سمجھیں، اختیار کرلیں۔

من نگو ئم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بین وکار آساں کن ❶

باقی رہا کسی ایک دو اشخاص کی بابت یہ کہنا کہ وہ اس فعل کے جواز کے قائل تھے۔ سو یہ اُن کے اپنے اقوال اور افعال ہیں، جس کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔ ہمارا مذہب تو یہ ہے جو مصنف تفسیر فتح البیان کے الفاظ میں ہم نقل کرتے ہیں:

" قد ذهب السلف والخلف من الصحابة والتابعين والأئمة إلىٰ أن إتيان الزوجة في دبرها حرام "

(تفسیر فتح البیان: ۲۸۶/۱، زیر آیت: نساء کم) ❷

"سلف اور خلف یعنی صحابہ، تابعین اور امامانِ دین یہی کہتے گئے ہیں کہ عورت کے ساتھ پچھلی جانب میں ملاپ کرنا حرام ہے"

کہیے! کیا رائے ہے؟

اعیان اہل حدیث!

اس مصنف کو اپنے جیسے ایک دوسرے مصنف سے دھوکا لگا ہے۔ اس نے "فتح المبین مع تنبیه الوهابیین " کی بناء پر ایسی دلیری کی۔ ممکن ہے اس میں وہابیوں کی

= شمار کیا ہے، جو وطي في الدبر کو حرام قرار دیتے ہیں، لیکن معترض اسی روایت سے جواز کشید کر کے الٹا حدیث پر اعتراض کر رہے ہیں۔ وللّٰه في خلقه شؤون !!

❶ میں نہیں کہتا یہ نہ کر، وہ کر...... مصلحت کو دیکھ اور آسان کام کر۔

❷ نیز دیکھیں: فتح القدیر: ۳٤٥/۱

تردید میں یوں لکھا ہو کہ وہابیوں کا یہ مذہب ہے، جو سراسر غلط اور بہتان ہے۔ آپ لوگ غور کریں کہ کس کس قسم کے بہتانات آپ کے فرقہ حقہ پر لگائے گئے ہیں۔

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو

کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

تو کیا یہ مناسب اور زیبا ہے کہ جس طرح آپ لوگوں پر غلط الزامات لگائے گئے ہیں۔ آپ خود بھی دوسروں پر یا اپنے میں سے کسی فرد پر اُسی طرح غلط الزام لگا لگا کر بدنام کیا کریں؟

مثال کے طور پر میں کہتا ہوں کہ میرے مخالف رائے علمائے کرام کی مقدس صورتیں میرے حق میں کہتے ہیں کہ میں معجزات اور کرامات کا منکر ہوں۔ حالانکہ میں اپنی تصنیفات میں معجزات کا ثبوت دیتا ہوں، میری دونوں تفسیروں میں معجزات کا ثبوت ہے، آریوں کے جواب ''حق پر کاش'' اور ''تُرک اسلام'' میں ثبوت دیا ہے۔ تاہم میرے عنایت فرما یہی کہتے جاتے ہیں، تو میں اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہوں

گل ست سعدی و در چشم دشمنان خاراست

ناظرین کی آگاہی کے لیے مولوی محمد علی واعظ بو پڑی کا ایک خط نقل کرتا ہوں، جو جناب موصوف نے حال ہی میں خلیفہ نظام الدین صاحب مقیم چک رام دیوالی ضلع لائل پور (پنجاب) کو لکھا ہے، اس میں یہ فقرہ بھی ہے :

''قرآن مجید میں معجزات اور کرامات جس قدر بیان ہیں، ثناء اللہ سب کا منکر ہے''

قیامت کے روز جب یہ تحریر پیش ہو کر واعظ صاحب کو کہا جائے گا۔ ﴿إِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾ [1] تو میں نہیں جانتا، اس روز کیا جواب دیں گے؟!

[1] بني إسرائيل : ١٤ (اپنی کتاب پڑھ، آج تو خود اپنے آپ پر بطور محافظ کافی ہے)

بروز حشر گر پرسنہ خسرو را چرا کشتی
چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہماں گویم [1]

مصنف "ھفوات" نے ص ۲۷ پر عنوان لکھا ہے :

"بہتان ذہولِ قرآن از رسول" [2]

اس عنوان کے ماتحت صحیح بخاری سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک روز مسجد میں تشریف لائے ،تو ایک شخص کے حق میں فرمایا "خدا اُس پر رحم کرے، اُس نے مجھے بھولی ہوئی فلاں آیت یاد دلائی" [3]

اس روایت پر مصنف "ھفوات" کو بہت رنج ہے، چنانچہ اس رنج کا اظہار اس طرح کیا ہے، لکھتے ہیں:

"کیوں مسلمانو! حافظِ شریعت ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ جو احکامِ خدا کو بھول جائیں!"

اہلحدیث

تعصب اور ضد کا برا ہو جو انسان کو سوچنے اور سمجھنے سے مانع ہوتے ہیں، مصنف کے حق میں ہم کہاں تک حسن ظنی سے کام لیں ۔ آخر ہم مجبور ہیں کہ اپنا مافی الضمیر ظاہر کر دیں کہ آپ نے قرآن مجید کا سادہ ترجمہ بھی نہیں پڑھا ہوگا ۔ ورنہ ایسا بے تکا سوال نہ کرتے ،قرآن مجید میں صاف ارشاد ہے :

﴿ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰٓ إِلَّا مَا شَآءَ اللَّهُ ﴾.(پ ۳۰) [4]

---

[1] اگر حشر کے دن بادشاہ سے پوچھا گیا کہ تو نے کیوں قتل کیا ہے کیا کہے گا۔تم پہ قربان ہوں۔ تا کہ میں بھی وہ ہی کہوں!

[2] رسول پر قرآن کریم بھولنے کا بہتان۔

[3] صحيح البخاري : كتاب فضائل القرآن، باب نسيان القرآن وهل يقول نسيت آية كذا وكذا،رقم الحديث (٥٠٣٧) ولفظه:"سمع رسول الله ﷺ رجلا يقرأ في سورة بالليل في المسجد فقال يرحمه الله لقد أذكرني كذا وكذا آية كنت أنسيتها من سورة كذا وكذا."

[4] الأعلى : ٦-٧

''ہم (خدا) تجھے پڑھادیں گے، پھر تو نہ بھولے گا، مگر جو اللہ چاہے''

یہ آیت صاف بتارہی ہے کہ قرآن مجید میں سے کسی آیت کا آنحضرت ﷺ کو بطور نسیان کے ذہول ہو جانا جائز ہے۔ نہیں معلوم مصنف ''ھفوات'' کے نزدیک اس آیت کا کیا مطلب ہوگا، ہم شروع میں کہہ آئے ہیں کہ مسلمانوں میں فیصلہ کن کتاب قرآن مجید ہے، اسی کی شہادت پر مدار ہے، دگر ہیچ! (باقی کچھ بھی نہیں)

مصنف ''ھفوات'' کا ہفوات

شروع شروع میں مصنف ''ھفوات'' کے حق میں ہمارا نیک گمان تھا۔ لیکن جوں جوں ان کی کتاب کو بغور دیکھا گیا، تو گمان بدلتا گیا۔ اب تو یہ خیال ہے کہ مصنف نہ سنّی مذہب سے واقف ہے، نہ شیعہ سے، نہ قرآن سے نہ حدیث سے، ہمارا زبانی دعوی قابل حجت نہیں۔ ہم اس کا ثبوت دیتے ہیں۔

نبی علیہ السلام کا نماز میں بھول جانا

ص ۲۸ پر مصنف ہذا نے ایک عنوان لکھا ہے'' بہتان بر رسول در سہو صلوٰۃ''[1]

اس عنوان کے نیچے صحیح بخاری سے وہ حدیث لائے ہیں، جس میں آنحضرت ﷺ کے بھول کر چار رکعتوں کی بجائے دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے،[2] اس حدیث پر لکھا ہے:

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت بحضورِ قلب عبادتِ خدا نہ کرتے تھے جس سے خشوع خضوع وخلوص ندارد۔ (اخلاص و عاجزی نہ رہتی) الٰہی توبہ توبہ!''

اس کے علاوہ ایک نوٹ خاص سرخی دے کر لکھا ہے:

''آنحضرت کا نماز میں سہو کرنا خلاف عقل ہے، کیونکہ سہو اس وقت ہوتا ہے کہ اُس فعل سے غفلت ہو، پھر اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ مقتدی صحابہ بحضورِ قلب نماز پڑھتے تھے۔ جن کو یاد تھا کہ آنحضرت ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں

[1] رسول اللہ پر نماز میں بھولنے کا بہتان۔

[2] صحیح البخاري: أبواب المساجد، باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيرها، رقم الحديث (٤٦٨) صحيح مسلم: كتاب المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، رقم الحديث (٥٧٣)

اور دو نہیں پڑھیں، پس حیرت ہے کہ صحابہ بتوجہ عبادت بجالائیں اور رسول خدا بغیر حضور قلب عبادت کریں!"

نتیجہ! چونکہ رسول عبادتِ خدا میں بھی غفلت کر تے تھے۔ پس "جاء الاحتمال بطل الاستدلال" لہٰذا درجہ مفترض الطاعة سے تنزل اور رسالت سے موقوف اور صحابہ کا عہدۂ رسالت پر تقرر۔ افسوس! کیا ایمان و اسلام ہے!" (ص:۲۸)

اہلحدیث

ناظرین! یہ نوٹ ملحوظ رکھیے اور مندرجہ ذیل حدیث شیعہ روایت سے سنیے، جو مصنف کے نزدیک معتبر اور مدارِ ایمان ہے۔ شیعوں کی معتبر کتابِ حدیث "استبصار" میں یہ روایت بعینہٖ اسی طرح ملتی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

" إن رسول الله ﷺ صلي بالناس الظهر ثم سها وسلم فقال له ذو الشمالين يا رسول الله أنزل في الصلوٰة شيء؟ فقال ماذ اك؟ قال إنما صليت ركعتين فقال رسول ﷺ أ تقولو ن مثل قوله ، قالوا نعم فقام خاتم بهم الصلوٰة وسجد سجدتي سهو"۔

(١٨٦/١)

"یعنی آنحضرت نے بھول کر چار کی بجائے دو رکعتیں پڑھیں، تو بتانے پر پوری کی اور دو سجدہ سہو کیے"

ناظرین! لِلّٰہ بتائیے کہ ایک ہی واقعہ ہے، جو شیعہ و سُنّی دونوں کی کتبِ حدیث میں ملتا ہے، پھر سنیوں کی کتاب "صحیح بخاری" کا نام لے کر بدگمانی پھیلانا اور شروع کتاب میں لکھنا:

"فرقہ اہل سنت کے بعض اسلاف نے بغیر تحقیق پیغمبر کی توہین کو صحیح سمجھ کر اپنی جامع وغیرہ میں درج کر لیا" (ص:۳۰)

بتلایئے! اپنا گھر شیشہ کا بنا کر دوسروں پر پتھر برسانا ہے یا نہیں؟

آپ ہی اپنے ذرہ جور و ستم کو دیکھو

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

یہ بھی غلط ہے کہ نماز میں سہو غفلت ہی سے ہوتا ہے۔ نہیں بلکہ کمالِ استغراق سے بھی ہوسکتا ہے، جس میں نماز کی رکعات، سکون اور حرکات سے بھی غفلت ہو جاتی ہے حضرات کاملین کا سہوایسا ہی ہوتا ہے ۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر!
گرچہ باشد از نوشتن شیر و شیر [1]

صفحہ ۲۸ کے اخیر میں ایک عنوان لکھا ہے:

بہتان درقزاقی رسول [2]

اس عنوان کے نیچے بخاری کی حدیث لکھی ہے، جس میں ذکر ہے:

《إنما خرج رسول الله ﷺ يريد عير قريش حتى جمع الله بينهم وبين عدوهم على غير ميعاد》.(بخاری: ۲/ ۵٦٤)[3]

''آنحضرت ﷺ قریش کے قافلہ پر قبضہ کرنے کی نیت سے نکلے تھے۔ خدا نے ان کو دشمنوں سے جنگ میں مقابل کر دیا''

اس روایت کو نقل کر کے مصنف ''ھفوات'' نے بڑی سختی سے نکتہ چینی کی ہے۔ چنانچہ اصل الفاظ یہ ہیں:

''بکثرت احادیث وتواریخ میں یہ ہی مضمون ہے کہ آنحضرت بدر میں لوٹنے گئے تھے ،معاذ اللہ! ایمان سے بولو! کیا تمہارے رسول لٹیرے تھے ؟، کیا خدا نے ڈاکو کو رسول بنا کر بھیجا تھا؟ ۔کیا رسول اللہ کی نسبت لُوٹنے کا لفظ کہنا

---

1. نیک لوگوں کے کام کو اپنے اوپر مت قیاس کر......اگر چہ لکھنے میں شیر (دودھ) اور شیر ایک طرح ہی ہیں۔
2. رسول پر لوٹنے کا الزام
3. صحيح البخاري: كتاب المغازي، باب حديث كعب بن مالك، رقم الحديث (٤١٥٦)، صحيح مسلم: كتاب التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك وصاحبيه، رقم الحديث (٢٧٦٩)

رسول اللہ کی توہین نہیں ہے؟'' (ص:۲۹)

اہلحدیث

معلوم نہیں مصنف نے ''لوٹ'' کا لفظ کیوں اختیار کیا، جو اُردو زبان میں مکروہ معنی کے لیے بھی مستعمل ہے، وہی لفظ کیوں استعمال نہ کیا، جو قرآن شریف میں اس کے متعلق آیا ہے۔یعنی''غنیمت''

اس قصے کی بناء یہ ہے کہ قریشِ مکہ اور مسلمانوں میں وہ نسبت تھی، جو چند روز ہوئے انگریزوں اور جرمنوں میں تھی، جہاں ایک فریق دوسرے کو ملتا اُسے نقصان پہنچاتا۔ یہ حربی قانون ایسا صحیح ہے کہ آج تک بھی ترقی وتہذیب کے باوجود منسوخ نہیں ہوا۔ بلکہ دن دونی اور رات چوگنی اس میں ترقی ہوئی ہے، جس کی مثالیں گذشتہ جنگ میں چار سال تک اتنی کافی ملتی رہی ہیں کہ اُن میں اضافہ کی گنجائش نہیں۔ پس آنحضرت کا قریشِ مکہ کے قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلنا نہ شرعاً ممنوع تھا، نہ حرباً، نہ اخلاقاً۔ اسی لیے حکم ہے:

﴿فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا﴾. (پ۱۰ ع ۵) [1]

''جو کچھ تم نے مالِ غنیمت حاصل کیا ہے، اسے حلال جان کر خوب کھاؤ''

ایسے ایک واقعہ پر سوال کرنا، جس کی بناء قرآن مجید کی واضح تعلیم پر ہو، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک کلمہ گو کا کام ہے یا غیر کا

آپ ہی اپنے ذرہ جور وستم کو دیکھو
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر افتراء پردازی

ص ۲۹ پر عنوان لکھا ہے:

''بہتان در توہینِ رسول ﷺ منجانب ابوبکر! [2]

[1] الأنفال: ٦٩

[2] ابوبکر کی رسول کریم ﷺ کی توہین اور بہتان

اس میں تاریخ الخلفاء سے حضرت ابوبکر صدیق کا قول نقل کیا ہے کہ جب حضرت ممدوح نے اسامہ کی فوج کو بھیجنا چاہا، اس بناء پر کہ آنحضرت ﷺ نے اس فوج کو بھیجنا تجویز فرمایا تھا، اس پر حضرت ممدوح نے یہ لفظ بھی فرمائے تھے:

《 والذی لا إله إلا هو لو جرّت الكلاب بأرجل أزواج النبي ما رددت جيشا وجّهه رسول الله 》. [1]

"قسم ہے اللہ کی! اگر کتے آنحضرت کی بیویوں کی ٹانگیں گھسیٹ لے جائیں، تو میں اس فوج کو کبھی نہیں روکوں گا، جو آنحضرت نے خود تیار کی تھی"

اہلحدیث

مصنف "هفوات" اس کو آنحضرت پر بہتان کہتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ قول آنحضرت ﷺ پر بہتان کیا ہے؟ اس میں تو ابوبکر صدیق محض اپنی استقامت کا ذکر کرتے ہیں۔ چونکہ اُس وقت لوگ اس فوج کو بھیجنے کے مخالف تھے، اس لیے حضرت ممدوح نے کمال جرأت سے فرمایا کہ بفرض محال اگر پیغمبر خدا ﷺ کے اہل بیت پر بھی ابھی حملہ ہو۔ جس میں ہم کو سخت مصروفیت لازمی ہو، تو بھی ہم اس فوج کا بھیجنا ملتوی نہ کریں گے۔

یہ شرطیہ قضیہ بعینہ اُس شرطیہ کی طرح ہے جو قرآن مجید میں یوں مذکور ہے:

﴿ لَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ﴾. (پ ٥ ع ٦) [2]

"اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے نفسوں کو قتل کرو یا اپنے وطن سے نکل جاؤ،

---

[1] الاعتقاد للبيهقي: ٣٤٥، تاريخ دمشق: ٦٠/٢، البداية والنهاية: ٣٠٥/٦، تاريخ الخلفاء للسيوطي: ٦٧.
اس کی سند میں "عباد بن كثير الثقفي البصري" راوی "متروك" ہے، لہٰذا یہ اثر سخت ضعیف ہے۔
دیکھیں: التاريخ الكبير: ٤٢/٦، الجرح والتعديل: ٨٤/٦، الكامل لابن عدي: ٣٣٣/٤، المجروحين: ١٦٦/٢، تهذيب الكمال: ١٤٥/١٤، تقريب التهذيب: ٢٩٠

[2] النساء: ٦٦

تو بہت کم لوگ ایسا کرتے۔“

جس طرح اس آیت میں بطور شرط کے فرمایا ہے، اُسی طرح حضرت صدیق نے کہا تھا، جو بلاغت کے قاعدہ کے مطابق کلام میں حسن پیدا کرتا ہے۔ مگر معترض صاحب اس کو بھی توہین اور بہتان علی الرسول سمجھتے ہیں، تو بجز اس کے کیا کہیں

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا ست
سخن شناس نئی دلبر اِخطا اینجا ست [1]

ص ۳۰ پر ایک عنوان لکھا ہے:

”بہتان شراب خوری رسول ﷺ در مسجد فضیخ“ [2]

اس عنوان کے نیچے شیخ عبدالحق مرحوم کا ایک قول نقل کیا ہے اور مسند امام احمد سے ایک روایت لائے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

”آنحضرت ﷺ کے سامنے فضیخ لائے، آپ نے اس کو پیا۔“ [3]

فضیخ کی بابت منتخب اللغات سے مصنف نے خود ہی نقل کیا ہے:

”فضیخ شراب غورہ (انگور) خرما و شیرہ انگور وغیرہ“

اسی طرح لغت کی معتبر کتاب قاموس میں لکھا ہے:

---

[1] جب اہل دل کی بات کو سنے تو یہ نہ کہہ کہ غلطی ہے...... تمھیں شناسائی سخن نہیں یہی غلطی ہے۔

[2] رسول پر مسجد میں ”فضیخ شراب“ پینے کا بہتان۔

[3] مسند أحمد: ۱۰۶/۲، مسند أبي يعلى: ۱۰۱/۱۰.

اس کی سند میں ”عبد الله بن نافع“ راوی ”منكر الحديث، ومتروك الحديث وضعيف“ ہے: (التاريخ الكبير: ۲۱۳/۵، الجرح والتعديل: ۱۸۳/۵، الضعفاء للنسائي: ۶۴، تهذيب الكمال: ۲۱۳/۱۶، تقريب التهذيب: ۳۲۶)

اس کی دوسری سند بھی ہے (مصنف ابن أبي شيبة: ۹۶/۵) لیکن یہ عکرمة مولى ابن عباس کی مرسل روایت ہے، مزید برآں اس کی سند میں ”جابر بن يزيد الجعفي“ راوی ”ضعيف ومتروك“ ہے۔ نیز اس کی سند میں ”شريك بن عبد الله النخعي“ ہے، جو ”صدوق يخطيء كثيرا، تغير حفظه منذ ولي القضاء بالكوفة“ ہے۔ (تقريب التهذيب: ۲۶۶)

《الفضيح عصير العنب وشراب يتخذ من بسر》 ❶

''یعنی فضیخ انگوروں کے عرق اور کھجوروں کے نقوع ❷ کا نام ہے۔''

تعجب ہے کہ مصنف تعصب اور ضد میں ایسا مغلوب ہوا کہ اُسے اپنی غلطی کا مطلق علم نہیں ہوتا۔ مزید تعجب یہ ہے کہ اس کا کوئی حالی موالی بھی اُسے اطلاع نہیں دیتا۔

اے جناب! انگوروں کا نچوڑ اور کھجوروں کا نقوع کون حرام کہتا ہے؟ ہم صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ یہ دونوں حلال ہیں۔ معلوم نہیں کہ محض نچوڑ اور نقوع میں نشہ نہیں ہوتا، جب تک کہ اس کو جوش دے کر پکایا نہ جائے، بغیر جوش کے مُسکِر (نشہ آور) نہیں ہوتے۔ ❸ جس طرح ہندوستان میں گنوں کا رس جسے اُردو میں ''رس'' اور پنجابی میں ''روہ'' کہتے ہیں۔ کیا یہ حرام ہے؟ یا للعجب و ضيعة الأدب (کس قدر تعجب اور ادب کا نقصان ہے)

لطیفہ

بدگمانی کا برا ہو، ایک دفعہ دفتر ''اہل حدیث'' میں ایک معمر بزرگ مہمان تھے۔ اپنا بنوایا ہوا شربت سفید بوتل میں ان کے ساتھ تھا۔ ایک بدگمان نے دیکھا اور شہر کی ایک ایسی مجلس میں جاکر بتایا، جہاں کے لوگ ہر قسم کی غلط خبر کو میرے حق میں صحیح سمجھنے کو تیار تھے، کہا

---

❶ القاموس المحيط: ٣٢٩

❷ سرکے یا پانی میں بھگو کر رکھنا۔

❸ فضیخ ایک قسم کی شراب کا نام تھا، جو حرمتِ شراب سے قبل پی جاتی تھی، اور جب شراب کی حرمت نازل ہوئی، تو اس کو بھی حرام قرار دیا گیا، دیکھیں:

صحيح البخاري: (٢٣٣٢)، صحيح مسلم (١٩٨٠)، نیز دیکھیں: ابن حبان: ١٧٤/١٢، ١٨٦، فتح الباري: ٥٠/١٠.

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ''فضیخ'' حرام کردہ شراب کی قسم سے ہے، لہذا جب معترض کی ذکر کردہ روایت ہی سنداً ''ضعیف'' ہے، تو تاویل کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کا ضعف ثابت کر دینا ہی کافی ہے. وللہ الحمد!

کہ اب تو مولوی ثناء اللہ کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ ان کے مکان میں ایک شخص شراب کی بوتل لیے بیٹھا تھا۔ مولوی صاحب نے اُسے منع نہ کیا، اسی مجلس میں ایک جوشیلے دیندار باہر کے بھی آئے ہوئے تھے، وہ سیدھے دفتر اہلحدیث میں آئے، آتے ہی اظہارِ رنج کیا۔ میں پہلے تو اس خبر کا مفہوم نہ سمجھا کہ یہ کیا کہتے ہیں کہ آپ کے مکان میں شراب پی جاتی ہے اور آپ خاموش دیکھتے ہیں۔ اتنے میں وہ مسن (عمر رسیدہ) بزرگ بھی آ گئے۔ اس وقت میں سمجھ گیا کہ اوہو! بات تو یہ ہے کہ جو شربت کی بوتل ان حضرت کے پاس تھی، اُسی کو شراب سمجھا گیا۔ میں نے جھٹ سے کہا: ''اے لو! وہ شرابی آ گئے۔'' وہ بزرگ میرا یہ قول سُن کر حیران ہوئے۔ تب میں نے سارا قصہ دونوں صاحبوں کو سنا کر شک رفع کیا۔ الحمد لِلّٰہ

جس طرح بوتل شربت بوتل شراب سمجھ کر کسی نے روایت کر دی' اسی طرح مصنف ''ھفوات'' نے سمجھا کہ فضیخ میں نشہ لازمی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے پینے کا ذکر جب ہے، تو نشہ آور ہی پی ہوگی۔ پس دیر کیا تھی۔ منہ کھول کر ''ہفوات'' لکھ دیا۔

سچ فرمایا جناب پیغمبر خدا ﷺ نے:

《 إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث 》.[1]

''بدگمانی سے بچا کرو بدگمانی سخت جھوٹ ہے۔''

سچ ہے:۔

لطف پر لطف ہے املاء میں میرے یار کے یار
حائے حطی سے گدھا لکھتا ہے ہوز سے ھمار

منافق کی نماز جنازہ پڑھنا

مصنف ''ھفوات'' نے ص ۳۱ پر صحیح بخاری کی ایک روایت لکھی ہے، جس میں ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ عبداللہ بن اُبی منافق کا جنازہ پڑھنے لگے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مانع

[1] صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب لايخطب من خطب أخوه حتى ينكح أو يدع، رقم الحديث (٤٨٤٩)، صحيح مسلم: كتاب البر والصلة، باب تحريم الظن والتجسس والتنافس، رقم الحديث (٢٥٦٣)

ہوئے۔عرض کیا: یہ وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر دعا کرنے سے آپ کو منع فرمایا ہوا ہے۔حضور نبی رحمت نے فرمایا: منع تو نہیں فرمایا، البتہ مجھے اختیار دیا ہے، ان لفظوں سے کہ بخشش مانگ یا نہ مانگ۔اس پر صاف لفظوں میں آیت اُتری کہ منافقوں میں سے کوئی مرجائے، تو اُس کی نماز جنازہ مت پڑھا کرو۔ [1]

مصنف "هفوات" اور مولوی حشمت علی اہل قرآن دونوں اس حدیث پر بہت خفا ہیں اور اس کو بہتان بر رسول کہتے ہیں.(إشاعة القرآن نمبر۱۰۔اگست ۱۹۲۵ء)

اہلحدیث

مصنف ''ہفوات'' کے خیال میں ایسا کرنے سے پیغمبر کا جہل ثابت ہوتا ہے۔اسی طرح اہل قرآن بھی اس فعل نبوی کو آیت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ غور کرتے تو یہ قضیہ بعینہا قصہ حدیبیہ کے مشابہ پاتے، جس میں ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ میں طوافِ کعبہ کر رہا ہوں، علم الٰہی کے موافق ابھی وقت نہیں پہنچا تھا، مگر حضور علیہ السلام نے ازراہِ شوق مکہ کی طرف کوچ فرما دیا، وہاں جاکر روکے گئے، تو احرام توڑ کر واپسی کا ارادہ کیا۔اُس موقع پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی تھے جو سائل بن کر پیش ہوئے، جس پر آیت نازل ہوئی:

﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴾.(پ۲٦ ع ۹) [2]

''ہم نے، اے رسول! تجھ کو نمایاں فتح دی ہے۔''

اسی طرح آیت زیر بحث میں ارشاد تھا کہ ان لوگوں کے حق میں بخشش مانگو یا نہ مانگو خواہ ستر دفعہ بھی بخشش مانگو گے، خدا ان کو کبھی نہ بخشے گا۔آنحضرت نے اس ستر کے عدد کو

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الجنائز، باب الكفن في القميص الذي يكف أو لا يكف ومن كفن بغير قميص، رقم الحديث (١٢١٠)، صحيح مسلم: كتاب صفات المنافقين وأحكامهم، رقم الحديث (٢٧٧٤)

[2] (الفتح : ١) دیکھیں : صحيح البخاري: كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد، رقم الحديث (٢٥٨١) و كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، رقم الحديث (٣٩٤٣)

ستر ہی تک محدود سمجھا اور فرمایا میں ستر سے زیادہ دفعہ بخشش مانگوں گا، یہ کچھ شک نہیں کہ یہ جواب شفقت اور رحمت پر تو مبنی تھا، مگر منشاء الٰہی کے موافق نہ تھا۔ اس لیے دوسری آیت صاف لفظوں میں نازل ہوئی:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ ﴾. (پ ۱۰ ع ۱۷)[1]

''ان منافقوں میں سے کوئی مرجائے، تو آپ اس کا جنازہ نہ پڑھا کرو''

اس صاف اور صریح حکم کے بعد حضور نے کسی منافق کا جنازہ نہیں پڑھا۔ معلوم نہیں اس کورائی سے پہاڑ کیوں بنایا گیا؟!

صحابہ کے خلاف اظہار ناراضگی

ص۳۲ پر مصنف ''ھفوات'' نے عجیب گل کھلایا ہے۔ حدیث لقطہ نقل کی ہے۔ جس میں حضور نے گری پڑی چیزوں کے متعلق حکم فرمایا ہے کہ جو چیز تم کو ملے، اسے سال تک مشہور کیا کرو وغیرہ۔ اسی حدیث میں ذکر ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا: حضرت ﷺ کسی کو اونٹ مل جائے تو وہ کیا کرے؟ اس پر آپ کو ذرا غصہ آیا، فرمایا: تمہیں اس سے کیا؟ وہ اپنا کھانا پینا ساتھ رکھتا ہے، جہاں جائے گا، کھائے پیئے گا، جب تک اس کا مالک اس کو پالے گا۔[2]

اس پر مصنف ''ھفوات'' کو وہ غصہ آیا ہے کہ الأمان۔ لکھتا ہے:

''راوی صاحب نے اس حدیث سے آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے حد ہجو کی ہے۔ غضب خدا! رسول اللہ سے صحابہ کا یہ مسخرا پن بالکل غلط، کیونکہ رسول اللہ کی تو یہ شان تھی کہ چند صحابہ اور کعب بن مالک غزوہ تبوک میں

---

[1] التوبة: ٨٤

[2] صحيح البخاري: كتاب العلم، باب الغضب في الموعظة والتعليم إذا رأى مايكره، رقم الحديث (٩١)، صحيح مسلم: كتاب اللقطة، رقم الحديث (١٧٢٢)

شریک نہ ہوئے، تو آنخضرت کا اُن پر عتاب ہوا اور حکم ہوا کہ ان لوگوں سے کوئی بات نہ کرے، تو اکیاون (۵۱) دن تک گھر کی جورو تک نے بات نہیں کی اور ابو لبابہ نے تین دن تک مسجد نبوی کے ستون سے اپنے تئیں باندھ رکھا، جب خطا معاف ہوئی" (ص:۳۲)

اہلحدیث

معلوم نہیں یہ غضب وغصہ کس بات پر ہے۔ایک شخص سوال کرتا ہے، آنخضرت ﷺ جواب دیتے ہیں۔آپ درمیان میں اتنا جوش کرنے والے کون؟ اور پھر اس واقعہ کو واقعہ کعب بن مالک سے کیا تعلق؟ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ مجبوراً ہم سے یہ کہلواتی ہیں۔

بنے کیونکر کہ ہے سب کار اُلٹا
ہم اُلٹے ، بات اُلٹی ، یار اُلٹا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف اظہار ناراضگی

پھر اسی ص۳۲ پر صحیح بخاری ، کتاب التفسیر سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں ذکر ہے کہ بعض لوگوں نے سوال کیے، جو آنخضرت کو ناپسند ہوئے ،مگر جواب دیے،اس پر حضرت عمر نے آنخضرت کے چہرہ کی حقیقت پہچان کر عرض کیا :

《 رضينا بالله ربا و بالإسلام دينا وبمحمد نبيا》.(مشكوة ص ۳۲) [1]

"یعنی ہم نے بخوشی خدا کو اپنا رب جانا اور اسلام کو دین اور محمد کو رسول !"

اہلحدیث

درحقیقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ کمال دور اندیشی اور ادا فرضِ ایمانی تھا کہ خفگی تو آئی

---

[1] صحيح البخاري: كتاب العلم،باب من برك على ركبتيه عند الإمام أو المحدث،رقم الحديث (۹۳) وكتاب التفسير،باب (لاتسألوا عن أشياء إن تبدلكم تسؤكم)،رقم الحديث (٤٣٤٦)،صحيح مسلم: كتاب الفضائل،باب توقيره ﷺ وترك إكثار سؤاله،رقم الحديث (۲۳۵۹)

کسی اُوپر، مگر آپ اس کی طرف سے دفعیہ کرنے کو کھڑے ہوتے ہیں۔ جو درحقیقت خیر خواہی برادر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گویا اظہار کیا کہ ہم سب حضور ﷺ کے خادم اور بے دام امتی غلام ہیں، ہمارے سوال کسی عناد پر مبنی نہیں ہیں، لہٰذا ہم کو (یعنی سائلین کو) معافی ہونی چاہیئے۔ اس روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بارگاہِ رسالت میں تقرب اور وجاہت خوب ثابت ہوتی ہے کہ آپ معتوب لوگوں کی عین حالتِ عتاب میں بھی سفارش کیا کرتے تھے۔ مگر مصنف "ھفوات" کو چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بوجہ تشیع کے رنج ہے، اس لیے آپ کو یہ اعزازِ عمری کیسے گوارا ہو سکے؟ آپ نے اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں تجدید ایمان کا محل قرار دیا۔ چنانچہ ص ۳۲ پر "تجدید ایمان عمر" کا عنوان لکھ کر ص ۳۴ پر لکھا ہے :

> "راوی نے حضرت عمر کی عزت اپنے نزدیک بڑھائی اور رسول اللہ کو ذلیل کیا ہے اور فی الحقیقت حضرت عمر کو کافر بنا دیا، الٰہی توبہ توبہ!!"

اہلحدیث

یہ سب غیض وغضب دراصل اُسی ضد اور رنج کا عکس ہے، جو شیعوں کو اہل بیتِ علی [1] سے چلی آتی ہے۔ ورنہ دراصل جو کچھ ہے، وہ ہم نے اُوپر ذکر کر دیا۔

شیعہ اور حق پسندی:

کتاب "ھفوات" طبع اول ۸۸ صفحات پر ختم ہے، ۳۲ صفحات تک اس کا جواب ہم نے مفصل دے دیا تھا، اس کے بعد بوجوہ خاموشی رہی، اتنے میں مصنف "ھفوات" (شیعہ) نے "ھفوات" کو دوبارہ چھپوایا۔ ہمیں مصنف کی حق پسندی کے گمان پر جو خیال تھا کہ جتنے جوابات ہم نے اُن کو دیئے ہیں، اُن کو تو قبول کریں گے، باقی کا تقاضا رکھیں گے۔ لیکن طبع دوم دیکھنے سے معلوم ہوا شیعہ اور حق پسندی۔

---

[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دامادِ رسول اللہ ﷺ ہونے کی وجہ سے اہل بیتی کا وصف حاصل ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دامادِ علی رضی اللہ عنہ ہونے کے باعث اہل بیتِ علی رضی اللہ عنہ کہنا جائز ہے! (مؤلف)

﴿ ضدان مفتر قان أي تفرق! ﴾[1]

مصنف موصوف نے ان جوابات سے اتنا اثر تو لیا، کہ طبع اول میں جو سخت کلامی تھی اُس کو قدرے نرم کر دیا۔ چنانچہ اس بارہ میں اُن کے اپنے الفاظ ہیں:

''طبع اول میں رسول اللہ کی توہین کے غم میں بجہت جوش اسلامی جو فقرے زبانِ قلم سے نکل گئے تھے، اُن کو اس وہلہ (مرتبہ) میں بالکل نہیں رکھا، بلکہ حقیقتاً گویا کتاب ہی دوسری ہو گئی'' (ھفوات۔ طبعِ دوم، ص:۳)

مگر اصل جوابات کو قبول نہ کیا، بلکہ جواب الجواب دینے پر کہیں کہیں توجہ کی۔ وہ بھی ایسی کہ اُس سے بھی ہمارے گمان کا ثبوت ملتا ہے کہ مصنف کو حق پسند نہیں۔ سچ ہے:

﴿ وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ﴾.[2]

مصنف ''ھفوات'' کی الزام تراشی

ہاں جواب دینے والوں پر وہی رحمت کی بوچھاڑ کی، جو شیعہ گروہ صحابہ کرام پر عموماً اور مولا علی رضی اللہ عنہ کے معزز داماد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ پر خصوصاً بوچھاڑ کیا کرتے ہیں، چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

''ہم نے اس کتاب کی طبع اول میں رسول اللہ اور امہات المومنین کی تفضیحات (رسوائیاں) و تقبیحات کی احادیث کی شروح میں زیادہ تفصیل اُن کے شرم ناک ہونے کے سبب نہیں کی تھی۔ لیکن خدا لعنت کرے۔ اُن

---

[1] یہ ایک شعر کا دوسرا مصرعہ ہے، اس کا پہلا حصہ ہے:

لكن من رزق الحجى حرم الغنى ...... ضدان مفترقان أي تفرق!

''لیکن جسے عقل ملی، وہ تو نگری سے محروم رہا...... یہ تو دو ضدیں ہیں جن میں کس قدر دوری ہے!''

یہ ایک طویل قصیدہ کا حصہ ہے، جو إمام شافعي اور علي بن محمد البرقعي کی طرف منسوب ہے، واللہ أعلم! دیکھیں: تاريخ دمشق: ۲۲۸/٤۱، الوافي للصفدي: ۲۲٥/۱

[2] الأعراف: ١٤٦ (اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھ بھی لیں تو اسے راستہ نہیں بناتے)

نامسلمان مولویوں پر جنہوں نے ہم پر بہتان کر کے ہم سے بھی یہ ناپاک جرح قدح کرائی، اللہ تعالیٰ اُن سے عدالت فرمائے'' (ص:۱۲)

اہلحدیث

دیکھئے! جناب مصنف صاحب بہت خفا معلوم ہوتے ہیں، ہم اس کے جواب میں کیا کہیں بجز اس کے کہ ایک پرانا مقبولہ شعر جو شیعہ مذہب کے حق میں کسی اہل دل نے کہا ہوا ہے، آپ کے پیش کر دیں۔

دشنام بمذہبیکہ طاعتؔ باشد
مذہب معلوم واہل مذہب معلوم ❶

مصنف ''ھفوات'' نے ہمارے سابقہ جوابات کو کس نظر سے دیکھا، اس کی ایک مثال ''ھفوات'' طبع ثانی سے بتلاتے ہیں.

جونیہ عورت سے نکاح

''ھفوات'' طبع اول کے ص ۷ پر معاذ اللہ آنحضرت ﷺ کے حق میں ایک سرخی لکھی ہے:

''بہتان در اقدام زنا بجونیہ''

اس عنوان کے ماتحت صحیح بخاری سے ایک حدیث نقل کی ہے، جس کا مطلب یہ بتلایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک غیر منکوحہ عورت جونیہ پر دست درازی کرنی چاہی اور اُس کے سخت نفرت سے انکار کرنے پر ہٹ گئے۔ اس کے جواب میں ہم نے ''اہل حدیث'' (مؤرخہ ۳ نومبر ۱۹۲۳ء) کے ص ۱۱، ۱۲ پر جونیہ کا منکوحہ ہونا ثابت کیا تھا، چنانچہ ہمارے الفاظ یہ ہیں:

《عن أبي أسيد قال: تزوج رسول ﷺ إمرأة من بنى الجون فأمرني أن آتيه بها فأتيته بها فأ نزلتها بالشوط》.

(پ ۲۲ ص ۱۶۱) ❷

---

❶ جس مذہب میں گالم گلوچ اطاعت ہو...... وہ مذہب معلوم اور اس کے ماننے والے بھی معلوم ہیں (کہ وہ کس قدر پاک طینت ہوں گے)

❷ اس کی تخریج گزر چکی ہے، دیکھیں صفحہ: ۱۳

”یعنی ابواسید کہتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے ایک عورت جونیہ سے نکاح کیا اور مجھے کہا کہ میں اس کو آپ کے پاس لے آؤں، چنانچہ میں نے اس کو ایک باغ میں اتار کر آپ کو خبر کی، تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے۔“

اس روایت میں صاف لفظ ہے ”تزوج“ یعنی آنحضرت ﷺ نے اُس عورت سے نکاح کر لیا تھا اور حضور ﷺ کے ارشا دسے أبوأسید اس کو میکے سے لے بھی آئے تھے، اس جواب کو صاحب ”ھفوات“ نے کس نظر سے دیکھا، اس کے متعلق آپ کے الفاظ یہ ہیں:

”اب ہم تمام مدعیانِ علم حدیث سے پوچھتے ہیں کہ جونیہ والی حدیث کے الفاظ یا سیاق سے یہ تو بتاؤ کہ جونیہ کس عنوان سے بلائی گئی تھی اور وہ کیا سمجھ کر آئی تھی اور رسول اللہ اُس کے پاس کیا سمجھ کر گئے تھے، آیا منکوحہ سمجھ کر گئے تھے یا اجنبیہ“ (ھفوات۔ طبع دوم، ص:۱۳)

اہلحدیث

ناظرین! غور فرمایئے ہمارے پیش کردہ جواب کا کیا جواب الجواب دیا، بجز اُس کے کہ سوال مکرر کر دیا، تاکہ اپنے ناظرین کو دکھا دیں کہ سوال ایسا سخت ہے کہ ”اہلحدیث“ باوجود نبرد آزما ہونے کے جواب نہ دے سکا، حالانکہ طبع اول میں یہ عبارت نہیں ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت ہمارے جواب دیکھنے کے بعد بڑھائی ہے

اللہ رے! ایسے حسن پہ یہ بے نیازیاں
بندہ نواز آپ کسی کے خدا نہیں!

اس عبارت کے ساتھ ہی ایک سوال اور کرتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

”اگر جونیہ منکوحہ تھی، تو رسول اللہ کو اُس نکاح کا علم ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن رسول اللہ نے اُس سے ”هبي نفسك لي“ فرمایا، جس سے ثابت ہوا کہ نکاح نہ ہوا تھا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ اُس کو ہبۂ نفس پر راضی کرنا چاہتے تھے۔ اُس

صورت سے جونیہ والی حدیث کو کتاب الطلاق میں لکھنا لغو ہو گیا"

(ھفوات۔ طبع دوم، ص:۱۳۰)

اس کا جواب بھی ہم ۳ نومبر کے "اہلحدیث" میں دے چکے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"ہماری اس توجیہ پر جو روایت کے صاف الفاظ پر مبنی ہے، ایک سوال ہو سکتا ہے کہ اگر بیوی ہو چکی تھی، تو آنحضرت نے اس سے ہبۂ نفس کی خواہش کیوں کی اور اس نے پناہ مانگ کر جواب کیوں دیا؟"

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ "هبي نفسك" ہبۂ نفس کے اصلی معنی میں نہیں ہے بلکہ اس کے معنی تواضع اور خاطر داری کے ہیں، جیسے کوئی افسر بھی ماتحت کے کمرے میں جاتا ہوا اخلاقی طور پر کہے "کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟" اس طرح حضور ﷺ نے اس عورت کو ملاطفت کے طور پر "هبي" فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کیا آپ مجھے اجازت دیں گی؟ یہ سوال نکاح کے منافی نہیں۔ خاص کر اس صورت میں کہ نکاح کے متعلق صاف اور صریح الفاظ آ چکے ہیں"

مصنف "ھفوات" کی ہٹ دھرمی

ناظرین! یہ ہے صاحب "ھفوات" کی انصاف پروری۔ لہٰذا اُن سے حق پسندی کی امید کرنا گویا "آزمودہ را آزمودن خطاست" [1] کے ماتحت آتا ہے۔

چونکہ شیعوں کو بقول "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کتاب "ھفوات" ایک عجوبہ روزگار مل گئی، اس لیے وہ اُس کو مختلف رنگوں میں پھیلا رہے ہیں اور جہلاء میں اس پر بڑا فخر کرتے ہیں لہٰذا خاکسار کے دل میں بالقاء الٰهی پختہ خیال ڈالا گیا کہ اس کا مکمل جواب اخبار میں درج کرنے کے بعد احباب کے مشورہ سے کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے۔ إن شاء الله!

ا۔ ـہ کرام پر گانا بجانے کی تہمت

مصنف "ھفوات" نے طبع دوم میں بہت کچھ زیادہ کیا ہے، جس حصہ کا جواب ہم

---

[1] آزمائے ہوئے کو آزمانا غلطی کرنا ہے۔

۱۹ جنوری ۱۹۲۳ء تک دے چکے تھے، اُس حصہ میں بھی بعض باتیں زائد لکھی ہیں ۔ ایک کا عنوان ہے :

"جواز غنا از صحابہ و ائمہ اربعہ" ❶

اس کے ماتحت رسالہ "بوارق الإلماع" سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ بھی گانا سنتے تھے، حالانکہ رسالہ مذکور میں ان حضرات کا ذکر بھی نہیں، بلکہ یوں مذکور ہے:

"اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ امام ابوحنیفہ اور شیخ ابوالبیان نے سماع کو حرام فرمایا ہے، ہم اُن کی پیروی کرتے ہیں، تو حقیقت یہ ہے کہ ان صاحبوں کے اقوال کو ایسے راگ رنگ پر محمول کریں گے، جو باعث فساد ہے، اس لیے حرام ہے۔ مطلق گانے پر محمول نہیں کر سکتے" (ترجمہ رسالہ مذکور ص ۲۵)

علاوہ اس کے رسالہ مذکور کے شروع ہی میں لکھا ہے:

"فقرائے باصفا جو راگ سنتے ہیں، اُس کے یہ معنی ہیں کہ قوال جو حقانی اشعار گاتا ہے اور مضامین توحید سناتا ہے، ان کو اس لیے سنتے ہیں کہ دل میں رقت پیدا ہو" (ص: ۳)

اہلحدیث

بتایئے! اس میں آپ کا کیا فائدہ اور ہمارا کیا نقصان؟ مگر بقول "دشمن بات کرے انہونی"، جس شخص نے ذمہ لیا ہو کہ اہل سنت کو بدنام ہی کیا جائے اُس کا کیا جواب۔

اگر اب بھی نہ وہ سمجھے تو اُس بت سے خدا سمجھے

تحریف قرآن کا اعتقاد

مصنف "ھفوات" نے طبع جدید میں تحریف قرآن کی ہے۔ مصنف "ھفوات" چونکہ تحریف قرآن کے خود قائل ہیں ۔ اس لیے انھوں نے اس کے متعلق اپنا خیال بہت

---

❶ صحابہ وائمہ اربعہ سے گانے کا جواز

خوشنما صورت میں ظاہر کیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں :

''توریت وانجیل کا محرف ہونا قرآن سے ثابت ہے اور جنھوں نے اُن کو محرف کیا ہے، وہ اپنے بانی مذہب سے آج تک منسوب یعنی یہود و نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ اور یہ دونوں محرف کتابیں یہودونصاریٰ میں کلامِ خدا مانی جاتی ہیں۔ چونکہ قرآن کے محرف ہونے کی خبر ﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ﴾ [1] سے ثابت، اور قرآن کلامِ خدا ہے۔ اس لیے قرآن محرف ہوکر کلامِ خدا ہونے سے خارج نہیں ہوسکتا، بلکہ اس تقدیر پر سمجھنا چاہیے کہ قرآن کا محرف ہونا اُس کے کلامِ خدا ہونے کی دلیل موثق ہے، لہٰذا قرآن میں تحریف کرنے والے بھی دائرہ اسلام سے خارج نہیں مانے جاسکتے۔

دوم: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اشاعتِ توریت بکثرتِ انبیاء کے ذریعہ سے ہوتی رہی، لیکن تحریف کرنے والوں نے تحریف کر ہی دی اور بعقیدہ اہل سنت آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی معصوم اشاعتِ قرآن کے لیے نہیں پیدا ہوا۔ بایں وجہ اگر قرآن میں بھی تحریف ہوگئی، تو کوئی انوکھی بات نہیں ہوئی، اس کے علاوہ ہمارے پیغمبر کی تشبیہ [2] جناب موسیٰ علیہ السلام سے خدائے تعالیٰ نے دی ہے، پس جو انجام توریت کا ہوا، اگر وہی انجام قرآن کا بھی ہوا، تو زیادہ تعجب کا مقام نہیں،

یادرکھو بلکہ کسی کے کلام میں تحریف کرکے دیکھ لو کہ تحریف سے مطلب بدلا کرتا ہے اور جب تک تحریف کرنے والے کی نیت کلام کے بے معنی بنانے کی نہ ہو

---

[1] الفتح: ۱۵ (وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی بات کو بدل دیں)

[2] پیغمبر علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو انجام تورات کا ہوا، وہی قرآن کا بھی ہو سکتا ہے کیونکہ آپ کی تشبیہ ہر اعتبار سے نہیں ورنہ بہت سارے ایسے الزامات سامنے آسکتے ہیں جن کا خارج میں وجود نہیں یہ الزام بھی انہی میں سے ہے۔

کلام محرف بے معنی نہیں ہوا کرتا۔

''اب ہم اس مضمون بے پایاں کو ناتمام چھوڑ کر ایک کلیہ عقلی ایسا بتا دیتے ہیں کہ آیندہ آیہ مذکور سے حفاظت قرآن کے مدعی کو ہر شخص احمق سمجھ لے، وہ یہ کہ ہر کلام کی شان ہے کہ وہ ممکن الحفظ بھی ہو اور ممکن التحریف بھی۔ چونکہ قرآن بھی کلام ہے، پس وہ بھی ممکن الحفظ اور ممکن التحریف ہے۔ لہٰذا آیہ زیر بحث سے حفاظتِ قرآن کا دعویٰ غلط'' (ھفوات۔ طبع دوم، ص: ۵۰، ۵۱) [1]

اہلحدیث

ماشاء اللہ چشم بدور! امکان سے کیا ہی فائدہ حاصل کیا؟ کیوں جناب! آپ کے جواب پر ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی شان ہے کہ وہ بھلا آدمی بھی ہو اور بدمعاش بھی۔ لہٰذا کسی بھلے سے بھلے آدمی (خواہ مصنف ''ھفوات'' ہوں یا امام اہلِ بیت) کا دعویٰ پاکیزگی غلط ہوگا؟

شاید ان ہی معنی میں یہ شعر ہے۔

جامی! چہ لاف میزنی از پاک دامنی
بر خرقۂ تو ایں ہمہ داغ شراب چیست [2]

ہاں صاحب! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مشابہت پوری کرنے کے لیے ''عزیر بن اللہ'' کی طرح ''علی مشکل کشا'' کہنا بھی ضرور ہے!

---

[1] معترض نے اپنی طرف سے بڑی تک بندی کی ہے، لیکن اس کا یہ کلیہ فاسد الاعتبار ہے کیونکہ قرآن کریم اللہ کی کلام اور اس کی صفت ہے لہٰذا اللہ کی کلام کو بندوں کی کلام پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، چہ نسبت خاک را بہ آسمان پاک۔ نیز اس کا یہ کلیہ صرف احتمال کے اوپر قائم ہے جب کہ حفاظت قرآن کے ایسے قوی، یقینی مضبوط اور متواتر قرائن ہیں اور اقصائے مشرق سے لے کر تا حد مغرب سینکڑوں حفاظ کرام اس کے محفوظ اور غیر محرف ہونے کا زندہ ثبوت ہیں، جن کی موجودگی میں اس احتمال کی عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے، لہٰذا اس کا یہ شوشہ محض ایک زٹل اور قیاس سوفسطائی ہے۔

[2] جامی! کیا پاک دامنی کی رٹ لگائے ہوئے ہو...... تمہاری گدڑی پر یہ شراب کے داغ کیا ہیں؟

اس سے مزید لطیف مصنف ''ھفوات'' کی وہ دلیل ہے، جو حفاظت قرآن کی نفی پر آپ نے دی ہے، آپ لکھتے ہیں:

'' قرآن کی محافظت کا اہتمام خود اپنی ذات سے کرتے تھے، وہ یہی کہ قول سے بے حد تاکید فرماتے تھے اور عمل سے خود قرآن لکھواتے اور بعض شوقین صحابہ کو پڑھاتے تھے اور ترغیب کے لیے سردارِ فوج اور امامِ صلوٰۃ اُسی کو بناتے تھے، جو ماتحتوں اور مقتدیوں سے زیادہ قرآن جانتا تھا اور فصل خصومات کے لیے قاضی بھی اُسی کو بناتے تھے۔ جیسے جناب معاذ بن جبلؓ کہ پورے قرآن کے جید حافظ تھے اور یمن کے قاضی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ پس جب خدا محافظ تھا تو پیغمبر ﷺ کو اس اہتمام اور کوشش وترغیب کی کیا ضرورت تھی؟''.(ھفوات۔ طبع دوم، ص: ۴۷، ۴۸)

اہلحدیث

کہتے ہیں کہ ایک گاؤں میں سب لوگ ناک کٹے تھے۔ اتفاقاً کچھ لوگ سالم ناک والے بطور سفر اُس گاؤں سے گذرے، تو اُن لوگوں نے اپنی ندامت دور کرنے کو پہلے ہی اُن (سالم ناک کے) مسافروں کو بطور طعنہ ''نکونکو'' کہنا شروع کیا، وہ بے چارے ان کے حملے کے جواب میں بالکل خاموش رہے۔ اسی طرح ہمارے دوست صاحب ''ھفوات'' نے اہل سنت کو خاموش کرنے کے لیے اُن کی زبردست دلیل پر قبضہ کر کے انھیں خاموش کرنا چاہا۔ لیکن اہل حدیث کی نسبت وہ یہ گمان نہ کریں، کیوں؂

عاشقان از ہیبت تیغ تو سر پیچیدہ اند
جامی بیچارہ را چوں دیگراں پنداشتی؟ ❶

---

❶ عاشقوں نے تیری تلوار کی ہیبت سے سروں کو پچھاڑا ہوا ہے...... کیا تو نے جامی بے چارے کو بھی دوسروں کی مانند خیال کرلیا ہے؟

خیریت سے آپ اس غلط خیال سے نتیجہ پیدا کرتے ہیں، آپ کے الفاظ بہت لطیف ہیں، لکھتے ہیں:

''پیغمبر خدا ﷺ کا یہ عمل بتاتا ہے کہ آپ کے عقیدہ کے مطابق معاذ اللہ آنحضرت ﷺ کو بھی وعدہ خدا پر بھروسہ نہ تھا اور نہ حیات رسول ﷺ میں صحابہ کا یہ عقیدہ آپ کے خانہ زاد عقیدہ کے مطابق تھا کہ وہ بھی اس وعدہ خدا پر بھروسہ نہ کر کے تعلیم و اشاعت قرآن کرتے تھے اور جو کہو کہ پیغمبر اور صحابہ کی حفاظت کرنی وہ خدا ہی کی حفاظت تھی، تو ابھی آپ اسی بہتان کے عنوان میں بخاری شریف کی حدیث پڑھ چکے کہ خود محافظ و معلم قرآن ہی کسی سورۃ کی چند آیات بھول گئے تھے اور بکثرت صحابہ بھی بھول جایا کرتے تھے''۔

(ھفوات ۔ طبع دوم، ص:۴۸)

اہلحدیث

ناظرین! صاحب کی دور اندیشی اور کمال بلاغت ملاحظہ کریں ۔ حضور علیہ السلام خود قرآن کے حافظ تھے، صحابہ کو حفظ کراتے تھے، مسلمانوں کی اولاد نسلاً بعد نسل حفظِ قرآن کرتی چلی آئی، چاہئے تو یہ تھا کہ اس فعلِ نبوی اور عمل اُمتی سے اس نتیجہ پر پہنچتے کہ قرآن مجید میں تحریف ہونا ناممکن ہے، کیونکہ اس کی حفاظت کا خدا نے کافی انتظام کر رکھا ہے، کیونکہ خدا کی کام اس طرح ہوتے ہیں کہ وہ جس کام کو کرنا چاہتا ہے' اُس کے اسباب پیدا کر دیتا ہے، یہی معنی ہیں :

'' إذا أراد اللّٰه شيئا هيأ أسبابه''

''خدا جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے، تو اُس کے اسباب مہیا کر دیتا ہے''

مگر مصنف ''ھفوات'' کی کمال دلیری ہے کہ ''بکف چراغ [1] داشتہ'' لکھتے ہیں:

---

[1] ہاتھ میں چراغ لیے ہوئے

دوسرا زمانہ خلفاء کا دیکھو کہ وہ بھی آپ کے خانہ ساز عقیدہ کے مطابق خدا کے اس وعدۂ حفاظت پر بھروسہ نہ کر کے خود جمع قرآن میں مصروف ہوئے اور تینوں خلافتیں جمع و حفاظت قرآن میں ساعی رہیں، گو انہوں نے کیسا ہی صحیح یا غلط عمل کیا۔ یہ اُن کی سمجھ ہے" (هفوات۔ طبع دوم، ص: ۴۸)

اہلحدیث

ہمارا فاضل دوست کس دل و دماغ کا مالک ہے کہ تحریف قرآن کا امکان بلکہ وقوع بتانے کی کوشش کرتا ہے، مگر قادر و قیوم کی اندورنی تحریک سے تحریف کا امتناع ثابت کیے جاتا ہے، اللہ:۔

عجب ہوشیاری کہ ناداں بن کر
ہمیں سے ہمارا گلہ ہو رہا ہے

اخیر میں ہم اپنے قابل قدر دوست کو ان کے پیشوا (شیعہ عالم) مولانا سید علی لاہوری حائری کا قول عدم تحریف بلکہ امتناع تحریف پر سناتے ہیں، غور سے سنیں :

"ہر گاہ قرآن محرف و متغیر المعانی و متبدل الالفاظ باشد مدار دین واسلام برآں کردن چگونہ صحیح تو اند شد" (تفسیر لوامع التنزیل : ٤ /٢٣)

"یعنی قرآن مجید اگر محرف اور متغیر ہو، تو دین اسلام کا مدار اُس پر کیسے ہوسکتا ہے؟!"

ہماری رائے میں اس کتاب کے مصنف کے مشورہ میں کوئی مخالف اسلام (آریہ یا عیسائی) ضرور شریک ہے، اسی لیے اتنی کج ادائی ہے، ورنہ کوئی کلمہ گو اس قسم کی کج ادائی نہیں کر سکتا۔ گذشتہ پرچوں میں بھی ناظرین بہت کچھ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ مگر آج کی صحبت میں ہم مصنف کی دیانت و امانت اور قابلیت کی ایسی مثال پیش کریں گے، جس کی نظیر دنیا میں نہ مل سکے۔

مصنف "هفوات" نے ایک عنوان اس طرح لکھا ہے:

بہتان در کفر رسول قبل بعثت ❶

یعنی (بقول مصنف مذکور) اہل سنت کے نزدیک آنحضرت ﷺ قبل نبوۃ کافر تھے۔

چنانچہ مصنف کے الفاظ یہ ہیں:

تفسیر کبیر جلد ہشتم، مطبوعہ مصر، سورہ والضحیٰ، ص۴۲۴ میں ہے :

" اعلم أن بعض النا س ذهب إلىٰ أنه كان كافراً في أول الأمر ثم هداه الله وجعله نبيا قال الكلبي ﴿وَجَدَكَ ضَالًا﴾ يعني كافرا في قوم ضلال فهداك للتوحيد و قال السدي كان على دين قومه أربعين سنة"

(یعنی) جان لو بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ قبل بعثت کافر تھے، پھر اللہ نے ہدایت کی اور نبی بنایا، امام کلبی نے کہا ﴿وَجَدَكَ ضَالًا﴾ سے مرادِ خدا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ قومِ گمراہ میں کافر تھے، خدا نے توحید کی طرف ہدایت کی اور امام سدی نے کہا کہ آنحضرت ﷺ چالیس سال کی عمر تک قوم قریش کے دین پر رہے، یعنی کافر رہے" انتهى

(هفوات۔ طبع دوم، ص:۶۲)

نتیجہ:

اس نقل پر بہت بڑا نتیجہ مرتب کیا ہے، جس میں آپ کے الفاظ یہ ہیں :

دیکھیے خدائے تعالیٰ کا یہ اہتمام کہ ابھی نسل آدم پیدا بھی نہ ہوئی تھی کہ اُس نے آدم کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا اور اس خیر اُمت کا یہ انتظام کہ باوجود کثرت کفار و مشرکین رسول اللہ کو پیغمبر ہی نہیں ہونے دیتے، بلکہ چالیس سال کی عمر تک اس برگزیدہ خدا کو زندان کفر و شرک میں مقید رکھتے ہیں، جو اُن کی کتب عقاید کے بھی خلاف ہے۔ براہ کرم اس لغویت کو خارج فرمایئے" (حوالہ مذکور)

---

❶ بعثت سے پہلے رسول پر کفر کا بہتان

اس کے بعد اپنا کمال علمی دکھانے کو لکھتے ہیں :

''تفسیر کبیر اور شرح مواقف وغیرہ کے زٹلیات محض مہمل ۔ کیونکہ لفظ ''ضال'' کے معنی لغت میں بیس سے کم نہیں ۔ چنانچہ لفظ ''ضال'' کے ایک معنی پوشیدہ کے بھی ہیں اور محاورہ عرب'' ضل الماء في اللبن إذا صار مغمورا'' اس کا شاہد ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دودھ میں پانی چھپ گیا ،جبکہ اس کو ملایا گیا، پس اس تقدیر پر آیہ شریفہ کے یہ معنی ہوئے کہ(اے پیغمبر) ہم نے تمہاری خوبیوں کو لوگوں پر چھپا ہوا پایا ۔ پس لوگوں کو اس طرف راہ دکھائی یعنی تمہاری خوبیاں اُن پر ظاہر کر دیں اور وہ تمہاری طرف رجوع ہو گئے''(حوالہ مذکور)

اہلحدیث

ہمارے پاس لفظ نہیں جن سے ہم مصنف کے علم ، دیانت اور امانت کی داد یں ، بجز اس کے کہ اتنا کہیں۔

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری ظلم کیشی کو !
بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے فتنہ گر پہلے

ناظرین !ہماری اس رائے کو تیز کلامی نہ سمجھیں ،ہم اپنی رائے کا ثبوت پیش کرتے ہیں، امام رازیؒ کی عادت ہے کہ اپنے تبحر علمی سے ہر آیت کے ماتحت سابقہ مفسرین کے جتنے اقوال ہوتے ہیں ،ان کو نقل کر دیتے ہیں، اُس نقل سے ان کی مراد معلومات کا پیش کرنا ہوتا ہے ،یہ نہیں کہ سب اقوال صحیح ہوتے ہیں ، بلکہ بہت دفعہ وہ اُن کا رد بھی کر جاتے ہیں ۔ چنانچہ مرقومہ آیت ﴿وَجَدَكَ ضَالًّا﴾ کے متعلق بیس اقوال نقل کیے ہیں، اب بیس میں سے ایک قول یہ بھی ہے، جو مصنف ''ھفوات '' نے نقل کر کے سارے اہل سنت کا مذہب بتایا ہے، حالانکہ امام رازی خود اس قول کی تردید کرتے ہیں ۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

'' وأما الجمهور من العلماء فقد اتفقوا على أنه عليه السلام

ما كفر بالله لحظة واحدة". (تفسير كبير:٨/٤٢٤)

''یعنی جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک لحظہ بھی (بعد نبوت نہ قبل نبوت) کفر نہیں کیا۔''

کیا اس سے ایمان داری کا ثبوت مزید کچھ ہوگا؟ [1]

مزید لطف یہ کہ جو معنی خیریت سے آپ نے بطور فخر اپنی طرف سے کیے ہیں، جن کے مقابلہ میں تفسیر کبیر اور شرح مواقف کے اقوال کو ''زٹلیات'' فرمایا ہے، وہ قول بھی خود تفسیر کبیر سے لیا ہے، چنانچہ تفسیر کبیر میں بیس اقوال میں سے پانچواں قول یوں ہے:

《 و خامسها: يقال ضل الماء في اللبن إذا صار مغمورا فمعنى الآية كنت مغمورا بين الكفار بمكة فقواك الله تعالىٰ حتى أظهرت دينه》. (تفسير كبير:٨/٤٣٥)

ناظرین! ملاحظہ کریں کہ مصنف نے اپنی شیخی بگھار کر معنی لکھے ہیں، بعینہ تفسیر کبیر میں وہی ہیں، مگر مصنف ''هفوات'' نے ان کو اپنی طرف سے بتایا ہے۔ سچ ہے: ﴿يُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا﴾ [2]

شیعہ دوستو! ایسے مصنف کی تصنیف پر تم لوگوں کو ناز ہے؟ واللہ!

---

[1] اسی لیے امام رازی نے اس تفسیر کو رد کر دینے کے بعد اس آیت کی صحیح تفسیر صحابہ و تابعین سے نقل کی ہے اور اس لفظ کی تفسیر میں بیس اقوال نقل کیے ہیں۔ امام ابن قتیبۃ اس لفظ ''ضال'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''يريد ضالا عن تفاصيل الإيمان والإسلام وشرائعه فهداك الله عزوجل''. (تأويل مختلف الحديث: ٢٣٤)

''یعنی آپ شریعت کے تفصیلی احکام اور اوامر و نواہی سے ناواقف تھے'' تو اللہ نے آپ کی اس طرف راہنمائی کی۔

نیز دیکھیں: تفسير البغوي: ٨/٤٥٦، زاد المسير: ٩/١٥٨، تفسير القرطبي: ٢٠/٨٧، فتح القدير: ٥/٦٥٠

[2] آل عمران: ١٨٨. (پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف ان کاموں پر کی جائے، جو انھوں نے نہیں کیے)

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اُس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

مصنف ''ھفوات'' کی بد گوئی اور سخت کلامی کی ہم شکایت نہیں کرتے کیونکہ بزرگانِ اہل سنت کو برا کہنا شیعہ مومنین کی گھٹی میں داخل ہے۔

چھٹتی نہیں یہ کافر منہ سے لگی ہوئی

ہاں شکایت تو اس بات کی ہے، جس کی اُن کو عادت ہو رہی ہے کہ سنیوں کی کتابوں میں کوئی مردود قول ہو، اُس کو لے کر تمام اہل سنت کا مذہب قرار دے کر جماعت سنّیہ کو بدنام کرتے ہیں، جس کی مثالیں پہلے بھی درج ہو چکی ہیں اور آج بھی ہوتی ہیں۔

بتوں کی شفاعت والا واقعہ:

ص ٦٤ پر پنڈت لیکھ رام کی تقلید میں لکھتے ہیں:

''تفسیر معالم میں یہ روایت آئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورہ ''والنجم'' پڑھی، جہاں دو بتوں (لات اور عزیٰ) کا ذکر آیا، وہاں آپ کے منہ سے یہ نکلا:

((تلك الغرا نيق العلى وإن شفاعتهن لترتجىٰ))

''یہ بت بڑے بزرگ ہیں۔ ان کی شفاعت کی امید ہے''

اس روایت کی بناء پر مصنف ''ھفوات'' نے اہل سنت پر بہت کچھ غیض و غضب کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ اس روایت کی بابت دونوں قسم کے مفسرین (محدث اور متکلم) نے اظہار مذمت کیا ہوا ہے۔ فتح البیان میں جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی مرحوم نے روایت مذکورہ کی بابت لکھا ہے:

''لم يصح شيء من هذا ولا ثبت بوجه من الوجوه و مع عدم صحته بل بطلانه فقد دفعه المحققون بكتاب الله سبحانه''. الخ

(زیر آیت ﴿إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ﴾ [1]

---

[1] فتح البیان: ٦٧/٩

''یعنی ان روایات میں سے کچھ بھی صحیح ثابت نہیں ہوا، باوجود عدمِ ثبوت بلکہ باطل ہونے کے ان روایات کے محققین نے ان کو کتاب اللہ کے ساتھ رد کیا ہے'' (جس کی تفصیل وہاں لکھی ہے)

تفسیر کبیر میں مرقوم ہے :

﴿ أما أهل التحقيق فقد قالوا هذه الرواية باطلة موضوعة واحتجوا عليه بالقرآن والسنة والمعقول ﴾. الخ (زیر آیت ﴿أَلْقَى الشَّيْطَانُ﴾ [1]

''یعنی محققین مفسرین نے کہا ہے کہ یہ روایت جھوٹی بناوٹی ہے اور انھوں نے اس روایت کو قرآن وسنت اور عقلی دلائل کے ساتھ رد کیا ہے۔'' [2]

شیعہ دوستو! بتاؤ جس بات کو آپ خود رد کریں، اسی بات کو کوئی سنّی مصنف آپ پر تھوپ کر شیعہ مذہب کو بدنام کرے، تو آپ لوگ اس کو دیانت دار کہیں گے یا بد دیانت۔ پس

آنچہ بخود نہ پسندی بد یگراں مپند! [3]

عصمتِ انبیاء

مصنف ''ھفوات'' نے بحوالہ ''شرح مسلّم الثبوت'' مصنفہ بحر العلوم، اہل سنت پر (بزعم خود) ایک سخت ترین الزام لگایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت انبیاء علیہم السلام سے خطاء کا صدور مانتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں :

''شرح مسلّم الثبوت۔ اصل اول۔ باب النسخ، (مطبوعہ نولکشور، ص: ۳۵۹) میں ہے :

---

[1] التفسير الكبير: ١٩٣/٦

[2] اسی لیے اس واقعہ کے موضوع اور کذب ہونے کے بارے میں علامہ ناصر الدين ألبانی رحمہ اللہ نے مستقل کتاب بنام ''نصب المجانيق لنسف قصة الغرانيق'' لکھی ہے۔ جزاہ اللہ عن الإسلام والمسلمين خيرا!

[3] جو خود کو نہ پسند ہو، اس کی دوسروں کو مت نصیحت کر!

" ولا تصغ إلىٰ قول من يقول إن الأنبياء كيف يخطئون في أحكام اللّٰه تعالىٰ فإن هذا القول صدر من شيا طين أهل البدعة كالروافض وغيرهم،ألم تر أهل الحق من أهل السنة والجماعة القامعين البدعة ۔كثرهم اللّٰه تعالي۔ يجوّزون على الأنبياء الخطأ كما ظهر في أسارى بدرمن سيد العالم صلوات اللّٰه عليه وسلامه"

''(یعنی) تم اس شخص کی ہرگز نہ سنو، جو یہ کہتا ہے کہ انبیاء تبلیغ احکامِ خدا میں کیونکر خطا کر سکتے ہیں؟ یہ قول شیاطینِ اہلِ بدعت سے صادر ہوا ہے۔ جیسے رافضی وغیرہ اور اہلِ حق یعنی اہلِ سنت وجماعت جو بدعت کے اکھیڑ دینے والے ہیں، خدا اُن کو زیادہ کرے،وہ انبیاء سے صدورِ خطا کو جائز جانتے ہیں، جیسے آنحضرت ﷺ سے اسیرانِ بدر کے بارے میں خطاء ہوئی،ان پر اللہ کا درود ہواور سلام'' انتہی۔

اس عبارت کو نقل کرکے صاحبِ'' ھفوات '' نے بہت خفگی کا اظہار کیا ہے آپ کے الفاظ یہ ہیں :

''دیکھیے !یہ نئی جون کے قامع البدعۃ ہیں،جن کا انوکھا فخر کسی نئے کارخانہ کا ڈھلا ہوا ہے، کیا معنی کہ جو فرقہ رسول اللہ کو بے خطا ثابت کرتا ہے،وہ بدعتی رافضی اور آپ جو مقتول مشرکانِ بدر کی خاطر رسول کے سر سے عمامۂ رسالت گھسیٹ رہے ہیں،تو آپ نرے اہلِ حق نہیں بلکہ قامع البدعۃ بھی ہیں۔

وہی مثل ہے کہ چپڑی اور دو دو۔اے ماشاء اللہ !کیا اُلٹی گنگا بہائی۔

این کار از تو آید مرداں چنیں کنند [1]

ظاہر ہے جب رسول اللہ ﷺ تبلیغ احکامِ خدا میں خطا کرتے تھے،تو ضرور

[1] یہ تم جیسے مردوں کا ہی کارنامہ ہوسکتا ہے۔

ہے کہ جائز الخطا تھے اور یہ بدیہی امر ہے کہ جو جائز الخطا ہے، وہ معصوم نہیں، وہ مفترض الطاعۃ نہیں اور جو مفترض الطاعۃ نہیں، وہ محتمل الفسق والکفر ضرور ہے چلو۔

"فارغ البال ہوئے خوب فراغت پائی"

(ھفوات ص:٦٥)

اہلحدیث

مصنف "ھفوات" نے جس شرح مسلّم سے مذکورہ عبارت نقل کی ہے، اُس سے اُس کی دلیل بھی نقل کر دیتے، تو اُن کے ناظرین شک وشبہ میں نہ پڑتے۔ وہ الفاظ ہم نقل کر کے ناظرین سے دادِ انصاف چاہتے ہیں، مولانا عبدالعلی بحر العلوم نے مذکور دعوے پر جو دلیل پیش کی ہے، اُس کے الفاظ یہ ہیں :

«كما ظهر في أسارى بدر من سيد العالم صلوات الله وسلامه عليه وعلىٰ آله وأصحابه وأزواجه أجمعين كيف وقد وقع من داود۔عليه السلام۔ في الحرث وفي الحكم لإحدى المرأتين مع كونه للأخرى كما هو مشروح في الصحيحين كيف وقد وقع من موسىٰ ۔عليه السلام۔ حين فعل بأخيه هٰرون عليه السلام ما فعل وحين قال لمن سأل هل أحد أعلم مني فأوحى الله تعالى بلىٰ عبدنا خضر كما أخرجه الشيخان وكيف وقع لنوح عليه السلام حيث سأل نجاة ابنه من الغرق على ما هو المشهور۔ (شرح مسلّم :٢/ ٦٦)

یعنی انبیاء ﷩ سے خطاء ہو جانے کا ثبوت اس سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا تھا، جو منظورِ خدا نہ تھا اور قرآن مجید سے

ثابت ہے کہ کھیتی کے مقدمہ میں ﴿إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ﴾ (پ ۱۷ ع ۶)[1] حضرت داؤد علیہ السلام سے خطاء ہوگئی۔ ﴿فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ﴾[2] اور دو عورتوں کے مقدمہ میں خطا ہوئی، جو صحیحین کی روایت میں آیا ہے اور حضرت موسیٰ نے کسی سائل کے جواب میں کہا تھا کہ میں بہت بڑا عالم ہوں، یہ جواب خدا کو پسند نہ تھا۔ حضرت نوح نے بیٹے کی نجات کا سوال کیا جو پسندیدہ الٰہی نہ تھا۔ وغیرہ"

اس بیانِ بحر العلوم میں جو حدیثی ثبوت ہے، وہ اگر معترض کو مسلّم نہ ہو، تو کچھ حرج نہیں، قرآنی ثبوت تو مسلّم ہے، جو حضرت داؤد اور نوح علیہما السلام کے حق میں ہے، اس کے علاوہ میں کہتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنے بزرگ برادر حضرت ہارون کی داڑھی اور سر کے بال پکڑے، جس پر انھوں نے کہا: ﴿يَا بْنَ أُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي﴾[3] جب غصہ سرد ہوا تو دعا کی ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي﴾[4] کیا یہ واقعات مولانا بحر العلوم کے دعوے کو ثابت نہیں کرتے؟ اگر اتنے صحیح واقعات بھی کوئی دیانت دار نہ سمجھے، تو اس بت سے خدا سمجھے!

غلط بیانی

صاحب "ھفوات" کو خدا معلوم کذب بیانی سے کیوں اتنی محبت ہے کہ الزام تو دیتے ہیں اہل سنت پر کذب اور افترا کا، مگر خود بات بات میں کذب بیانی سے کام لیتے ہیں۔ مولانا بحر العلوم کے کلام کا مطلب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے احکام اللہ پر عمل کرنے میں خطا ہونا ممکن ہے، مگر مصنف "ھفوات" نے اُس کا مطلب یہ بیان کیا ہے:

"رسول اللہ تبلیغِ احکام میں خطا کرتے تھے"

---

1. الأنبياء: ۷۸
2. الأنبياء: ۷۹
3. طٰہٰ: ۹۴

پھر اس پر جو نتائج متفرع کیے ہیں وہ سب بناء فاسد علی الفا سد ہیں۔ خدا اُن کو سمجھ دے۔

مصنف "هفوات" کو اہل سنت کی کوئی بات بھی اچھی نہیں لگتی۔ یہ قدرتی امر ہے جس کو شیخ سعدی مرحوم نے بھی تسلیم کیا ہے اور فرمایا ہے ؎

گل ست سعدی و در چشمِ دشمناں خارست ❶

❶ سعدی پھول ہے اور دشمنوں کی آنکھ میں کانٹا۔

باب دوم:

نبی علیہ السلام کا متعدد بیویوں کے پاس جانے کے بعد غسل کرنا

ص ۹۹ پر مصنف نے کتاب ابن ماجۃ سے ایک روایت نقل کی ہے، جس میں ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اگر ایسا واقعہ پیش آتا کہ ایک شب میں حسبِ ضرورت متعدد ازواج مطہرات سے ملاپ کرتے، تو اُس صورت میں صبح کے وقت ایک ہی غسل فرمالیتے، چونکہ ایسا فعل کوئی پیغمبر کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر قوی آدمی کو ایسا واقعہ پیش آسکتا ہے اور اس میں غسل کرنا ایک دینی حکم ہے، اس لیے کسی ضرورت مند نے سوال کیا، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ خادمِ خاص نے اس مسئلہ کا ثبوت فعلِ نبوی سے دیا۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے الفاظ بضمن الفاظِ صاحب "هفوات" درج ذیل ہیں، مصنف "هفوات" لکھتا ہے:

"جناب انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

《عن أنس أن النبي ﷺ كان يطوف على نسائه في غسل واحد》. [1]

"(یعنی) آنحضرت ایک غسل سے اپنی سب ازواج کے پاس ہو آتے تھے۔"

یہ حدیث انہی لفظوں سے بخاری شریف میں بھی ہے [2] اور بخاری "کتاب

---

[1] صحيح مسلم: كتاب الحيض، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له، رقم الحديث (٣٠٩)، سنن ابن ماجه: كتاب الطهارة، باب ماجاء فيمن يغتسل من جميع نسائه غسلا واحدا، رقم الحديث (٥٨٨)

[2] صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب من طاف على نسائه في غسل واحد، رقم الحديث (٤٩١٧) اس حدیث میں "غسل واحد" کے الفاظ نہیں ہیں، دیکھیں: ٣٧٨/١

النکاح، باب النساء في السفر ''[1] میں بھی جناب انس سے منقول ہے کہ خیبر سے واپسی کے وقت مکہ مدینہ کے درمیان آنحضرت ﷺ جناب اُم المؤمنین صفیة بنت حیي سے تین دن تک مقاربت کرتے رہے اور میں نے طعامِ ولیمہ کے واسطے مسلمانوں کو بلایا۔

دیکھئے محدثین نے رسول اللہ کی کیا شریفانہ تاریخ اور روز نامچہ تیار کیا ہے۔

ہائے افسوس! یہ طبعی اور فطری افعال کون نہیں جانتا کہ زن وشوہر میں ہوا کرتے ہیں، لیکن ان کا کوئی ڈھنڈورا نہیں پیٹا کرتا''(ھفوات، ص: ٦٩)

اہلحدیث

اس میں شک نہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا خادم تھا۔ مگر یہ نہیں کہ اس قسم کے واقعات اُس نے بچشم خود دیکھے ہوں۔ نہیں! بلکہ آنحضرت ﷺ سے بگوش خود سنے ہوں گے۔ جو کچھ حضور نے بطور اظہار مسئلہ کے بیان فرمایا، اُسی کو انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

مصنف کی غلط فہمی

مصنف کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ وہ اس کو فطری اور طبعی فعل قرار دیتا ہے۔ حالانکہ فطری اور طبعی فعل جماع ہے، وہ ایک ہو یا کئی ایک اُس کا ذکر نہیں۔ ذکر ''غسل واحد'' کا ہے، جو شرعی حکم ہے۔ سائل کو خیال ہوا ہوگا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَ إِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾[2]

''اگر تم جنبی ہو، تو غسل کیا کرو۔''

چونکہ پہلی دفعہ ملاپ کرنے سے فاعل جنبی ہو چکا ہے اور قرآن مجید سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی کوئی شخص جنبی ہو، وہ غسل کرے، تو جو شخص متعدد مرتبہ ملاپ

---

[1] صحیح البخاري: کتاب النکاح، باب البناء في السفر (٤٨٦٤)، مذکورہ بالا حدیث میں خیبر اور مدینہ کے درمیان کا ذکر ہے، نہ کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان!

[2] المائدة: ٦

کرے، اس کو ہر مرتبہ کے بعد غسل کرنا ضروری ہوگا، اُس کے جواب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو کچھ سرور دو جہاں سے سُنا ہوا تھا، وہ بیان کر دیا۔ جس پر صاحبِ ''ھفوات'' نے غور نہیں کیا کہ کلام میں محل فائدہ ''غسل واحد'' ہے۔ جماع واحد یا متعدد نہیں!

شیعہ مومنو!

چو بشنوی سخنِ اہلِ دل مگو کہ خطا ست
سخن شناس نئی دلبر اخطا اینجا ست

حالت روزہ میں بوسہ لینا

طبع ثانی ص ۷۰ پر مصنف ''ھفوات'' نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پر اعتراض کیا ہے۔ جس کا مضمون ہے کہ حضور علیہ السلام روزہ کی حالت میں بوسہ لیتے اور ساتھ لٹا لیتے۔ اس مضمون پر مصنف مذکور نے جن لفظوں میں اعتراض کیا ہے، وہ قابل غور ہے، چنانچہ لکھا ہے:

''بخاري، کتاب الصوم، باب المباشرة للصائم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے:

﴿ عن عائشة قالت كان النبي ﷺ يقبّل و يبا شر وهو صائم وكان أملككم لإربه ﴾. [1]

''یعنی وہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ حالت صوم میں میرے بوسے لیتے اور مباشرت کرتے تھے اور وہ اپنے عضو مخصوص پر [2] تم سے زیادہ قادر تھے''۔ انتھی

---

[1] صحيح البخاري (١٨٢٦)

[2] معترض نے ترجمہ میں یہ الفاظ اپنی طرف سے بڑھائے ہیں، کیوں کہ حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا ترجمہ یہ ہو، بلکہ جس لفظ ''لإربه'' کا ترجمہ معترض نے یہ کیا ہے، اسی حدیث کے بعد مذکورہ صفحہ پر امام بخاری نے اس لفظ کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں: ''قال ابن عباس (مآرب) حاجات''
لہٰذا معترض نے ترجمہ میں خود ساختہ الفاظ ذکر کر کے تحریف اور بد دیانتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ عامله الله بما يستحق!

﴿ غَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَيْتَ لَكَ ﴾. ❶

جس کا ترجمہ با کنایہ یہ ہے

زلیخا دروازے بند کر کے بولی اِدھر آ۔"

مقصد اس سے جو ہے وہ سب کو معلوم ہے، لیکن اس مقصد کو اگر ان لفظوں میں بیان کیا جاتا کہ "زلیخا نے دروازہ بند کر کے یوسف کو کہا آ میرے ساتھ جماع کر" تو یہ لطف اور پردہ داری نہ رہتی، جواب قرآن مجید کے لفظوں میں ہے، آپ کی جانے بلا، آپ کو تو مقصود ہے کہ ناظرین احادیث سنیہ سے بیزار ہو جائیں، چاہے آپ کو غلط بیانی سے کام لینا پڑے۔ (شاید تقیہ کا اثر ہو)

مباشرت کا معنی

اب سنیے! عربی زبان میں مباشرت اُن معنی میں نہیں، جن معنی میں اردو میں مستعمل ہے، جس پر آپ بہت گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ مباشرت کا ترجمہ بدن ملانا ہے۔ ❷ آئیے قرآن مجید کی عبارت سنیے، روزہ کے حکم میں ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ أَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ ﴾. ❸

"جس حال میں تم لوگ رمضان کے دنوں میں مساجد کے اندر اعتکاف کر رہے ہو، اُس حال میں عورتوں سے بدن نہ ملایا کرو"

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مباشرت کرنے سے اعتکاف فی المساجد مانع ہے، نہ محض صیام۔ اگر ایسا ہوتا یعنی صیام (روزہ) مانع ہوتا، تو قرآن مجید میں یوں ارشاد ہوتا:

"لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ أَنْتُمْ صَائِمُوْنَ"

---

❶ یوسف: ۲۳

❷ دیکھیں: معجم مقاييس اللغة: ۲۳۷/۱، المغرب في ترتيب المعرب: ۱ / ۷۴، کتاب العين للفراهيدي: ۲۵۹/۶، تحرير ألفاظ التنبيه للنووي: ۳۲۸

❸ البقرة: ۱۸۷

ایسے مضمون کی احادیث کی کثرت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں یہ ضروری مسئلہ ہے کہ روزہ میں تقبیل و مباشرت ضرور ہونی چاہیے، ورنہ مسلمان نہیں کیونکہ عبادتِ خدا میں جب تک دنیوی چاشنی نہ لگی رہے، تو کچھ لطف نہیں اور غالباً روزہ بھی مقبول نہ ہو۔ باخیا راوی تقبیل کے بعد مباشرت کا لفظ لایا ہے اور از روئے لغت اب اس مباشرت کے معنی اقرب بموافقت کے ہوں گے جو روزہ میں حرام ہو تو تعجب نہیں۔ ہمارے خیال میں کسی فرقہ کا مسلمان پیغمبرِ خدا اور ام المومنین کے معاملہ میں عمل مباشرت اور لفظ "ارب" کے اصلی معنی اور تفسیر نہیں کرسکتا، مگر رواۃِ حدیث کی نسبت کیا کہیں" (ہفوات، ص: ۷۰)

اہلحدیث

خیر اور خرافات کی بات تو الگ ہے، اصول دین کی بات صاف ہے کہ قرآن مجید دونوں (اصلی مجید) میں مشترک ہے۔ آیئے اس روایت کو قرآن کے سامنے رکھیں اور فیصلہ کرائیں۔ مگر قبل اس کے یہ جانچ کریں، آپ کے پیش کردہ ترجمہ کی جانچ ضروری ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"یقبل ویباشر" جس کا ترجمہ اتنا ہے کہ

"آنحضرت ﷺ بوسہ لیتے اور لپٹا لیتے"

مگر آپ نے جو اس ترجمہ میں یہ لفظ بڑھایا:

"پھر بوسے لیتے اور مباشرت کرتے"

یہ ترجمہ آپ کی ایجاد ہے، صدیقہ ؓ پردہ سے بات کرتی ہیں، جو ایک شریف خاتون کا طریق ہے۔ اس پردہ دار کلام میں جو لطف ہے، اظہار میں نہیں۔ بلکہ اظہار میں قباحت پیدا ہو جاتی ہے۔

غالباً اسی لئے آپ نے ایسا کیا۔ اس کی مثال قرآن مجید سے سنیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے قصہ میں یوں آیا ہے:

﴿ غَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَيْتَ لَكَ ﴾.❶

جس کا ترجمہ باکنایہ یہ ہے

زلیخا دروازے بند کر کے بولی اُدھر آ۔"

مقصد اس سے جو ہے وہ سب کو معلوم ہے، لیکن اس مقصد کو اگر ان لفظوں میں بیان کیا جاتا کہ "زلیخا نے دروازہ بند کر کے یوسف کو کہا آ میرے ساتھ جماع کر"

تو یہ لطف اور پردہ داری نہ رہتی، جو اب قرآن مجید کے لفظوں میں ہے، آپ کی جانے بلا، آپ کو تو مقصود ہے کہ ناظرین احادیث سنیہ سے بیزار ہو جائیں، چاہے آپ کو غلط بیانی سے کام لینا پڑے۔ (شاید تقیہ کا اثر ہو)

مباشرت کا معنی

اب سنیے! عربی زبان میں مباشرت اُن معنی میں نہیں، جن معنی میں اُردو میں مستعمل ہے، جس پر آپ بہت گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں بلکہ مباشرت کا ترجمہ بدن ملانا ہے،❷ آیئے قرآن مجید کی شہادت لیجیے، روزہ کے حکم میں ارشاد ہے:

﴿ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ أَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ ﴾.❸

"جس حال میں تم لوگ رمضان کے دنوں میں مساجد کے اندر اعتکاف کر رہے ہو، اس حال میں عورتوں سے بدن نہ ملایا کرو۔"

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مباشرت کرنے سے اعتکاف فی المساجد مانع ہے، نہ محض صیام۔ اگر ایسا ہوتا یعنی صیام (روزہ) مانع ہوتا، تو قرآن مجید میں یوں ارشاد ہوتا:

"لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ أَنْتُمْ صَائِمُوْنَ"

---

❶ یوسف: ۲۳

❷ دیکھیں: معجم مقاییس اللغة: ۱/۲۳۷، المغرب في ترتیب المغرب: ۱ / ۷۴، کتاب العین للفراهیدي: ۶/۲۵۹، تحریر ألفاظ التنبیه للنووي: ۳۲۸

❸ البقرة: ۱۸۷

''یعنی صیام کی حالت میں عورتوں سے بدن نہ ملایا کرو۔''

حالانکہ ایسا نہیں، پس ثابت ہوا کہ روزہ کی حالت میں بوسہ لینا منع ہے، نہ ساتھ ملانا، بلکہ دونوں فعل جائز ہیں۔

اصل وجہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ روایت بیان کرنے کی ضرورت یہ پیش آئی ہوگی کہ لوگ ازراہِ تورع (پرہیز گاری) یہ خیال کیے ہوں گے کہ روزہ میں یہ دونوں کام حرام ہیں، چونکہ ایسا کرنا حدود شرعیہ سے تجاوز تھا، کیونکہ خدا نے اپنے کلام میں ان دونوں فعلوں سے منع نہیں فرمایا۔ اس لئے صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس مسئلہ کا اظہار فعل نبوی سے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ایسا کرتے تھے، تم کیوں ان افعال کو روزہ کے خلاف خیال کرتے ہو؟ معترض کا فرض تھا کہ ان دونوں افعال کے منع پر کوئی آیت قرآنی لکھتے، نہ صرف زبانی ناک بھوں چڑھاتے!

ہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ مرد، عورت روزہ میں اتنا تعلق پیدا کریں، تو جماع تک نوبت پہنچنی ممکن بلکہ قرین قیاس ہے۔ حالانکہ روزے میں جماع ویسا ہی منع ہے، جیسا کھانا پینا، تو اس کا جواب صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیا، جو معترض نے خود نقل کیا ہے:

« وکان أملککم لإربه »

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس پر تم سے بہت زیادہ قابو رکھتے تھے۔''

یعنی باوجود قربت کے منع کی حدود میں نہ جاتے، کیا ہی صداقت اور شان نبوت کا اظہار ہے۔ مگر ؎

گل ست سعدی و در چشم دشمناں خارست

امام بخاری پر الزام تراشی

مصنف موصوف لکھتا ہے:

''طغیان در ذکر قضائے صوم بشعبان'' [1]

[1] رمضان کی قضا شعبان میں دینے کے ذکر میں سرکشی

''بخاری'' كتاب الصوم، باب متى يقضي قضاء رمضان'' میں ابی سلمہ سے منقول ہے۔

《 عن أبي سلمة قال سمعت عائشة تقول: كان يكون علي الصو م من رمضان فما استطيع أن أقضي إلا في شعبان قال يحيىٰ الشغل من النبي ﷺ أو بالنبي ﷺ 》.[1]

''وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، انہوں نے کہا کہ مجھ پر رمضان کی قضا باقی رہ جاتی تھی، تو میں اُن کو نہ رکھ سکتی تھی، حتیٰ کے شعبان آ جاتا تھا، یحییٰ نے کہا کہ جناب عائشہ (گیارہ ماہ تک) آنحضرت ﷺ سے مشغول رہتی تھیں یا آنحضرت کے ساتھ مشغول رہتی تھیں۔ انتهى ملخصاً۔

اول: بخاری کی نسبت سوچنا چاہئے کہ انھوں نے لاکھوں احادیث تو ترک کر لیں لیکن شارح کا بے حیا فقرہ حدیث سے نہ دور کر دیا۔

دوم: بخاری نے احادیث جمع کی ہیں یا اُن کے شروح۔ پس امام مسلم نے جوان کو ''منتحل الحديث'' (حدیث کا چور) کہا ہے وہ، یحییٰ کے فقرہ ملانے سے ثابت ہو گیا کہ واقعی امام مسلم کا فرمانا صحیح۔[2] کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جہاں لاکھوں احادیث ترک کی تھیں، اس کو بھی کر دیتے، لیکن توہینِ رسول امام بخاری کی جز و ایمان تھی، اس سبب سے دنیا پر ظاہر کیا گیا کہ رسول اللہ غیر عادل تھے۔ رات دن بی بی عائشہ کے ہاں پڑے رہتے تھے اور ازواج منہ تکتی رہ جاتی تھیں۔ خاک بدہانش باد''[3] (هفوات، ص:۷۱)

---

1. صحيح البخاري: كتاب الصوم، باب متى يقضي قضاء رمضان، رقم الحديث (١٨٤٩)، صحيح مسلم: كتاب الصيام، باب قضاء رمضان في شعبان، رقم الحديث (١١٤٦)
2. امام مسلم نے یہ کہیں تصریح نہیں کی کہ یہ الفاظ امام بخاری کے متعلق ہیں، بلکہ اس کے برخلاف امام مسلم سے بکثرت امام بخاری رحمہ اللہ کی مدح و ثناء مروی ہے، دیکھیں: هدي الساری:٤٨٨
3. اس کے منہ میں خاک!

اہلحدیث

بس اعتراض صرف اتنا ہوا کہ امام بخاری نے امام یحییٰ راوی کا قول متعلق شرح حدیث کیوں نقل کیا؟ آپ کا ایسا لکھنا ہمارے دعوے کا ثبوت ہے کہ آپ براہ راست کتب احادیث سے واقف نہیں محض تصنیفات شیعہ سے مستفیض ہیں۔ سنیے جن امام مسلم کی آپ مدح سرائی کرتے ہیں، انہی کی صحیح میں یہ روایت یوں آئی ہے:

« قالت كان يكون علي الصوم من رمضان فما أستطيع أن أقضي إلا في شعبان و ذلك لمكان رسول ﷺ ».❶

''میں آنحضرت ﷺ کی وجہ سے قضاءِ رمضان نہ کر سکتی تھی، سوائے ماہ شعبان کے'' (کیونکہ آنحضرت خود شعبان میں روزے بکثرت رکھتے تھے)❷

فرمایئے! اب تو امام بخاری رحمہ اللہ پر سے غصہ (جو للہ فی اللہ رفاض کو امام موصوف اور امام یحییٰ پر ہے) رفع ہو گیا یا نہیں؟ کیونکہ ان کے ممدوح امام مسلم نے خود اُم المومنین رضی اللہ عنہا سے وہی مضمون روایت کیا ہے۔

باقی رہا دوسری ازواجِ مطہرات کا منہ تکنا یہ بھی آپ کا خام خیال ہے۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا

---

❶ اصل میں مؤلف رحمہ اللہ نے یہ روایت اسی طرح لکھی ہے، صحیح مسلم (١١٤٦) میں یہ روایت موجود ہے، لیکن اس کے الفاظ یہ ہیں: "عن أبي سلمة قال سمعت عائشة رضي الله عنها تقول: كان يكون علي الصوم من رمضان فما أستطيع أن أقضيه إلا في شعبان الشغل من رسول الله ﷺ أو برسول الله ﷺ"۔

اس کے بعد امام مسلم نے دوسری سند نقل کرنے کے پہلی حدیث کی طرف اشارہ کر کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ......حدثنا يحي بن سعيد بهذا لإسناد غير أنه قال: "وذلك لمكان رسول الله ﷺ (١١٤٧) ان الفاظ سے بھی مؤلف رحمہ اللہ کا مقصود مکمل ہو جاتا ہے کہ امام مسلم کے ہاں بھی ویسے ہی الفاظ ہیں، جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیے ہیں۔

❷ دیکھیں: صحیح البخاري: كتاب الصوم، باب صوم شعبان، رقم الحديث (١٨٤٩)، صحيح مسلم: كتاب الصيام، باب صيام النبي ﷺ في غير رمضان، رقم الحديث (٧٨٢) وفتح الباري (١٩١/٤)

یہ مطلب نہیں ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر وقت خیال رہتا تھا کہ حضور ﷺ مجھے طلب فرمالیں گے۔ [1] کیونکہ طبعی رغبت اور محبت حضور ﷺ کو عائشہ سے بھی بہت تھی ، جو نا قابل انکار ہے۔

حالت حیض میں بیوی سے برتاؤ

کتاب نسائي کی ایک روایت مصنف ''ھفوات '' نے حضرت عائشہ ؓ سے نقل کی ہے ۔ کسی سائل نے حضرت صدیقہ ؓ سے پوچھا کہ حضور ﷺ حیض کی حالت میں بیویوں سے کیا برتاؤ کرتے تھے، انھوں نے کہا: تہ بند بندھوا کر اپنے ساتھ لٹا لیتے اور سینہ سے سینہ ملا تے، [2] سائلہ کا مطلب یہ تھا کہ قرآن مجید میں جو آیا ہے ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ﴾ [3] (حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہا کرو) اس کا کیا مطلب ہے؟ رسول ﷺ نے عملی طور پر اس کا مطلب کیا بتایا ہے؟ ۔ یعنی حیض کی حالت میں کلیۃً عورت سے جدا رہنا مقصود ہے یا حیض کے مکان سے جدا رکھنا منظور ہے ، یہ تھا سوال جس کا جواب صدیقہ ؓ نے جو دیا، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ حالتِ حیض میں مکانِ حیض سے الگ رہنا مقصود ہے۔ حائضہ سے بالکلیہ الگ رہنا مقصود نہیں ۔ کیسا صاف معاملہ ہے ۔ مگر

---

1. دیکھیں: فتح الباري: ١٩١/٤
2. سنن نسائي: كتاب الحيض والاستحاضة، باب ذكر ما كان النبي ﷺ يصنعه إذا حاضت إحدى نسائه، رقم الحديث(٣٧٥)، اس کی سند میں ''صدقة بن سعيد الحنفي '' راوی ضعیف ہے. ان کو امام ابو حاتم نے ''شيخ'' ساجي نے ''ليس بشیء'' امام بخاری نے ''عنده عجائب'' اور ابن وضاح نے ''ضعيف'' قرار دیا ہے ،حافظ ابن حجر فرماتے ہیں :''مقبول''. (الجرح والتعديل : ٤ / ٤٣٠ ، تهذيب الكمال: ١٣/ ١٣٢، تهذيب التهذيب: ٤/ ٣٦٤، تقريب التهذيب: ٢٧٥(٢٩١٢).
   اس کی سند میں دوسرا راوی ''جميع بن عمير التيمي'' ضعیف ہے.
   (التاريخ الكبير: ٢/ ٢٤٢، الكامل لابن عدي: ٢/ ١٦٦، المجروحين لابن حبان: ١/ ٢١٨، تهذيب التهذيب: ٢/ ٩٦، الكشف الحثيث: ٨٧)
3. البقرة: ٢٢٢

بقول شیخ سعدی۔

گل ست سعدی ودر چشم دشمناں خارست

صاحب ''ھفوات'' کو خدا جانے کیا مشکل پیش آئی کہ انھوں نے اس پر اعتراض کیا کہ

''راوی کو رسول اللہ اور ام المؤمنین سے ذاتی عداوت ہے۔ پھر اُمراء وخلفاءِ جور کی خوشنودی مقصود تھی، اس لیے'' یلتزم صد رھا وثد ییھا'' بڑھا دیا۔ براہ کرم اسے خارج فرمایئے۔'' (ص:۷۳)

اہلحدیث

ناظرین! ہماری تشریح کو ملحوظ رکھ کر غور کریں کہ اس میں کیا خرابی ہے، جو مصنف مذکور کو پیش آئی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان طرازی

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز بطور خوش مزاجی اُس حالت میں جب خاوند بیوی بالکل علیحدگی میں باتیں کیا کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور مثال عرض کیا:

''کوئی درخت بالکل اچھوتا ہو اور ایک درخت چھوتا، یعنی اُس میں سے چند اونٹوں نے کھایا ہو، آپ اپنا اونٹ کس درخت پر چھوڑیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا وہی جواب دیا، جو ہر ایک عقل مند دے۔ یعنی میں اچھوتے درخت سے اونٹ کو کھلاؤں گا''[1]

اس بے تکلف گفتگو سے مصنف ''ھفوات'' نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلب ہے کہ

''میرے سوا کسی اور بیوی کے پاس نہ جایئے، الٰہی توبہ! عورت اور اپنے شوہر سے کہے کہ بس میرے پاس رہیے۔ لا حول ولا قوۃ'' (ص:۷۳)

[1] صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب نكاح الأبكار، رقم الحديث (٤٧٨٩)

اہلحدیث

معلوم نہیں کسی محبہ محبوبہ بیوی کا اپنے خاوند کو ایسا کہنا کیوں اتنا ناجائز ہے کہ ایک معترشیعہ مصنف کو ناگوار گذرا ہے۔ بحالیکہ قرآن مجید میں بیوی خاوند کے گہرے تعلق کو خدا اپنی مہربانی بتلاتا ہوا فرماتا ہے:

﴿جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾. ❶

"خدا نے اپنی مہربانی سے تم بیوی خاوند میں کمال محبت پیدا کی ہے۔"

اسی محبت کا تقاضا اگر یہ ہو کہ کوئی بیوی اپنے پیارے خاوند کو کہے کہ

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

تو کیا گناہ اور کیا قباحت؟ قباحت تو اُس صورت میں ہوتی کہ حضور ﷺ اس کی خواہش کے ماتحت دوسری ازواج کو چھوڑ دیتے۔ جب ایسا نہیں تو اعتراض ہی کیا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا جھگڑا

مصنف "هفوات" نے ص ۸۴ پر ایک روایت عربی الفاظ کے بغیر صحیح مسلم سے لکھی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

《كان للنبي ﷺ تسع نسوة فكان إذا قسم بينهن لا ينتهي إلى المرأة الأولىٰ في تسع فكن يجتمعن كل ليلة في بيت التي يأتيها فكان في بيت عائشة فجاء ت زينب فمد يده اليها فقالت هذه زينب فكف النبي ﷺ يده فتقاولتا حتى استخبتا وأقيمت الصلاة فمرّأبو بكر على ذلك فسمع أصواتهما فقال أخرج يارسول الله إلى الصلاة واحث في أفواههن التراب. الخ》. ❷ (مسلم: ١/٤٧٢)

---

❶ الروم: ٢١

❷ صحيح مسلم: كتاب الرضاع، باب القسم بين الزوجات، رقم الحديث(١٤٦٢)

اس روایت کا ترجمہ مصنف "ھفوات" نے یوں کیا ہے:

"آنحضرت ﷺ کی نو بیبیاں تھیں، جب آنحضرت نے ہر ایک کی باری مقرر فرما دی، تو جس عورت کے پاس ایک رات رہتے، تو اس کی باری دسویں دن آتی تھی۔ اور جس تاریخ[1] جس گھر میں رہتے تھے، وہاں رات کو جملہ ازواج جمع ہو جایا کرتی تھیں۔ پس ایک شب آنحضرت ﷺ جناب عائشہ کے ہاں تھے کہ ام المؤمنین زینب پہنچیں اور آنحضرت نے اُن کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا یہ زینب ہیں (یعنی آج میری باری کا دن ہے) پس آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ روکا، اس پر حضرت عائشہ اور زینب کی چیخنے لگی اور خوب غل غپاڑہ ہوا، حتی کہ نماز صبح[2] کا وقت آ گیا اور حضرت ابوبکر کا اُدھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے ان دونوں کی تکرار سُنی اور کہا کہ یا رسول اللہ ان کے منہ میں خاک ڈالیے اور نماز کے لئے باہر تشریف لائیے۔" (انتھی ملخصاً)

اہلحدیث:

جن لفظوں پر ہم نے خط (۱) اور خط (۲) دیا ہے، یہ مصنف کے طبع زاد ہیں، روایت کے الفاظ کا ترجمہ نہیں۔ بات بالکل معمولی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے حسن خلق سے یہ طریقہ رکھا تھا کہ جس بیوی کے گھر میں رہنا ہوتا، وہاں شب کو اول وقت یکجا دعوت میں سب کو بلاتے، محبت اور لطفِ صحبت رہتا، باتوں باتوں میں حضور ﷺ نے بے تکلفی سے بیوی زینب رضی اللہ عنہا کی طرف ہاتھ بڑھایا، دوسری جو دراصل صاحبِ خانہ تھی اُس نے غیرت سے کہا: حضور ﷺ

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

اس پر بیویوں میں حسب مذاق خوب تیز تیز گفتگو ہوئی، اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مکان کے پاس سے گذرے، تو انھوں نے عرض کیا، جو ذکر ہوا، فطرت انسانی کو ملحوظ رکھ کر اس ساری گفتگو پر غور کیا جائے، تو خانہ داری میں بالکل معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔ مصنف ''هفوات'' نے اس پر دو اعتراض کیے ہیں، جن کے الفاظ یہ ہیں:

''اس حدیث سے راوی صاحب نے دونوں امہات کی ہوسناکی اور مغلوب الغضب اور گستاخ و بے ادب ہونا ظاہر کیا اور آنحضرت کی سبکی عقل اور قلتِ غیرت اور بد رعبی ثابت کی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ جب رسول اللہ گھر کے انتظام میں ایسے عاجز تھے، تو ممالک محروسہ کا انتظام کیا کر سکتے ہوں گے۔ پس حضرات شیخین کو دعا دیں کہ وہ ہر طرح سے رسول اللہ کی مدد کرتے رہتے تھے، انھوں نے ملک ودین دونوں کو سنبھال لیا۔ ورنہ رسول اللہ میں رکھا ہی کیا تھا اور علی بچے تھے اور بنی ہاشم میں کوئی قابل نہ تھا (خاک بد ہانش باد)

نتیجہ دوم ۔ جناب عائشہ کا غل غپاڑہ واجبی تھا کہ اُن کی باری کا دن تھا اور رسول اللہ غیر عادل نامنصف کہ اُن کی باری کے دن حضرت زینب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ نعوذ باللہ (ص:۸۴)

اہلحدیث

کس قدر معاندانہ حرکت ہے کہ بات کا بتنگڑ اور رائی کا پہاڑ بنایا گیا۔ دونوں بیویوں کا غصہ انسانی فطرت کی حد تک ہے، زیادہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سبکی عقل نہیں، بلکہ معترض کی جلدبازی اور سوءظنی ہے کہ ایک فطری واقعہ کو دوسرے رنگ میں دیکھتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناانصافی نہیں بلکہ کمال انصاف ثابت ہوتا ہے کہ عائشہ صدیقہ کی معمولی اطلاع پر ہی آپ معمولی حرکت سے بھی رک گئے، حالانکہ وہ دست درازی خاص غرض کے لئے نہ تھی، بلکہ معمولی لطفِ صحبت تھا۔ مگر انصاف پسندی نے یہاں تقاضا کیا کہ آپ نے اتنی دل شکنی بھی صاحبِ خانہ بیوی کی گوارا نہ کی۔ کیونکہ یہ اجتماع ازواج محض لطفِ صحبت کی غرض سے تھا،

ایسی صحبت میں تھوڑی سی بے لطفی بھی آپ کے حسنِ اخلاق نے پسند نہ کی۔

بناء فاسد علی الفاسد ❶

چونکہ مصنفِ ''ھفوات'' نے مذکورہ روایت میں ایجاد بندہ سے کام لے کر نماز کے ساتھ ''صبح'' کا لفظ بڑھایا ہے، اس غلط بناء پر آگے چل کر ایک سنگین اعتراض جڑ دیا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

''اُمت کے لئے نماز تہجد سنت اور رسول اللہ کے لیے فرض تھی۔ لیکن اس غل غپاڑہ کی رات میں حدیث مذکور سے تہجد کا ادا کرنا نہیں پایا جاتا۔ جس سے ثابت ہوا کہ اس فضول قصہ میں رسول اللہ سے فرض ترک ہو گیا۔ نعوذ باللہ۔ لا حول ولا قوۃ (ص:۸۵)

سچ ہے:

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا میرود دیوار کج ❷

حالانکہ یہ واقعہ اول شب کا ہے، جس کا وقت مغرب اور عشاء کے درمیان ہے۔ بھلا اگر صبح کی نماز کا ہوتا، تو روزانہ اجتماع ساری رات ہی ہوتا ہوگا۔ پھر صاحب خانہ کی خلوت کا وقت کب ہوتا؟ نعوذ باللہ من سوء الظن! ❸

قرآن سے تصدیق

مصنفِ ''ھفوات'' شیعی ہیں۔ اس لئے شیعوں کی ایسی روایات پر خفا ہیں۔ مگر قرآن مجید پر خفا نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہم اس روایت کی تائید کے لئے قرآنی

---

❶ بگڑی ہوئی بنیاد پر بگڑی ہوئی عمارت

❷ جب عمارت بنانے والا پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھ دے...... تو دیوار چاہے ثریا ستارے تک پہنچ جائے ٹیڑھی ہی رہے گی۔

❸ بدگمان سے اللہ کی پناہ

آیت بتصدیق روایت شیعہ نقل کرتے ہیں۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يَأَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا وَ زِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَ أُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا﴾

(احزاب پ ۲۱)[1]

اس آیت کا شان نزول شیعہ کی معتبر تفسیر ''مجمع البیان'' میں یوں لکھا ہے:

﴿ عن ابن عباس قال كان رسول الله جالسا مع حفصة فتشاجرا بينهما فقال لها هل لك أن أجعل بيني و بينك رجلا قالت نعم فأرسل إلىٰ عمر فلما أن دخل عليهما قال لها تكلمي فقالت يا رسول الله تكلم ولاتقل إلا حقا فرفع عمر يده فوجأ وجهها ثم رفع يد ه فوجأ و جهها فقال له النبي كف۔الخ

(تفسیر مجمع البیان ،جلد۲ ۔آیت مرقومه)[2]

''یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک روز اپنی بیوی حفصہ (بنت عمر) کے پاس بیٹھے تھے۔ پس دونوں (میاں بیوی) جھگڑ پڑے۔ آنحضرت ﷺ نے اُس کو فرمایا: تجھے منظور ہوتو میں اپنے اور تیرے جھگڑے میں ایک شخص کو منصف بنا دوں۔ اُس نے کہا: ہاں،پس آپ نے حضرت عمر کو بلایا، جب عمر رضی اللہ عنہ آئے ،تو حضور نے حفصہ کو فرمایا: اپنا بیان دے۔ اُس نے کہا: آپ ہی کہئے ۔مگر سچ سچ کہیے! (اس سخت لہجہ پر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی لڑکی حفصہ کو زور سے ایک چپت رسید کیا۔ دوسرا مارنے کو تھے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بس کر''

ناظرین! دونوں روایتوں کو ملحوظ رکھ کر بتا دیں کہ پچھلی شیعی روایت پہلی سُنّی روایت

---

[1] الأحزاب: ۲۸

[2] مجمع البيان:٤/٣٥٣

سے کم ہے یا زیادہ۔ سُنّی روایت میں دو بیویاں آپس میں جھگڑتی ہیں۔ مگر شیعی روایت میں بیوی آنحضرت ﷺ کے ساتھ جھگڑتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک تیسرا آدمی درمیان میں منصف ہو کر آتا ہے، اُس کے روبرو بھی وہ کس سخت لہجہ میں کہتی ہے کہ آپ (حضور ﷺ) سچ سچ کہیے۔ جس پر اس ثالث کو غصہ آتا ہے اور وہ کہتا ہے:

﴿ يا عدوة الله النبي لا يقول إلا حقا والذي بعثه بالحق لو لامجلسه ما رفعت يدي حتى تموتي ـ(حواله أيضا)

''اے اللہ کی دشمن! نبی سچ ہی کہا کرتے ہیں۔ قسم ہے اُس اللہ کی جس نے ان کو سچ کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر یہ آنحضرت ﷺ کی مجلس نہ ہوتی، تو میں تجھے اتنا مارتا کہ تو مر جاتی''

''ھفوات'' کے مصنفو!

انصاف رکھتے ہو تو اپنی روایت کو کتب تفسیر سے خارج کر کے سمندر کی تہ میں پہنچاؤ۔

ناظرین! میاں بیوی کے تعلقات خاص قسم کے ہوتے ہیں۔ میاں چاہے کیسے ہی رتبہ کا ہو، بیوی بحیثیت تعلق زوجیت باقی لوگوں سے کچھ زیادہ حق رکھتی ہے۔ اس راز کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں، جو متاہل اور متاہل[عیالدار] بھی متعدد ازواج کے ہیں۔ ورنہ مجرد کیا جانے جس کی شان میں کہا گیا ہے ؎

مجرد سب سے اعلیٰ ہے
نہ جورو ہے نہ سالا ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشی

نسائی جلد دوم باب الغیرۃ میں حدیث ہے، جس میں حضرت عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک روز رات کے وقت بستر سے اُٹھ کر چلے گئے۔ میں نے آپ کو تلاش کیا۔ آپ واپس آئے، تو میں نے آپ کے بالوں کو ٹٹولا، تاکہ معلوم کر سکوں آپ

غسل جنابت کر کے آئے ہیں، کیونکہ مجھے وہم ہوا تھا کہ حضور کسی اور حرم (بیوی) کے پاس گئے ہیں۔ آپ نے میرا وہم سمجھ کر فرمایا: شیطان تیرے پاس آیا ہے۔ یعنی اُس نے تجھے شبہ میں ڈالا ہے۔ عائشہ نے حضور ﷺ کا خیال اور طرف پھیرنے کو کہا: حضور ﷺ آپ کے ساتھ بھی شیطان ہے۔ فرمایا: ہاں! مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اُس پر غالب کیا ہے، تو میں اُس سے محفوظ رہتا ہوں۔ [1]

یہ ایک معمولی واقعہ ہے، میاں بیوی کے باہمی تعلقات اور عورت کو سوکن سے رشک اور رقابت میں توہمات کا ہونا ایک فطری نظارہ ہے، مصنف کیا جانے نیچرل شاعروں سے پوچھے جو رقابت میں توہمات کو یہاں تک ترقی دیتے ہیں کہ محبوب کے دیکھنے پر اپنی آنکھوں سے بھی رشک کرتے ہیں۔ سنیے!

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ وہم
گوش را نیز حدیث تو شنیدن نہ وہم [2]

اس پر مصنف ''ھفوات'' نے جو اعتراض کیا ہے' اُس کے الفاظ یہ ہیں:

''کیا کہوں اور کس زبان سے کہوں۔ اچھا سنیے۔ دیکھیے ''قد جاءك شيطانك'' فقرہ کا قرینہ پکار رہا ہے کہ جناب عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ کے جھونٹے نوچے تھے، صرف بالوں تک ہاتھ پہنچانے کا سیاق حدیث یہ نہیں چاہتا جو یہ کہا جاتا ''کیا تیرا شیطان تیرے پاس آ گیا ہے'' اور پھر کسی عورت کی نسبت شیطان آنے کا کنایہ

---

[1] سنن النسائي: كتاب عشرة النساء، باب الغيرة، رقم الحديث (٣٩٦٠)
اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "أن عائشة قالت: التمست رسول الله ﷺ فأدخلت يدي في شعره فقال قد جاءك شيطانك، فقلت أمالكٌ شيطان، فقال: بلى، ولكن الله أعانني عليه فأسلم"
نیز دیکھیں: صحيح مسلم: كتاب صفات المنافقين وأحكامهم، باب تحريش الشيطان، رقم الحديث (٢٨١٥)، التلخيص الحبير: ٢١/١

[2] مجھے اپنی آنکھوں پر بھی غیرت ہے کہ جنھوں نے تیرے چہرے کو دیکھا اور کان پر بھی کہ جس نے تیری بات سنی۔

کیا غضب کی توہین ہے۔" (ھفوات، طبع اول، ص:۵۱ ، طبع دوم ،ص:۷٦)

اہلحدیث:

حدیث مذکور میں "أدخلت یدي في شعره" آیا ہے، مصنف نے کمال جسارت اور تقوے سے اُس کے معنیٰ کیے ہیں "جھونٹے نوچے" ہم اس کے جواب میں کیا کہہ سکتے ہیں، بجز اس کے کہ صبر وشکیب سے کام لیتے ہوئے اتنا کہیں کہ

سخن شناس نئ دلبرا خطا اینجا ست

نہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بال کھینچے ،نہ بقول آپ کے جھونٹے نوچے۔ یہ سب مصنف کا "ھفوۃ" [1] ہے جس کی جمع "ھفوات" ہے۔

نبی علیہ السلام کا رات کو قبرستان جانا

ص۸٦ "ھفوات" پر مصنف نے نسائی کی حدیث لکھی ہے۔ جو دراصل حدیث مذکور سے ملحق ہے، اس میں ام المؤمنین حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک رات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چپکے سے اُٹھے اور پاؤں کی آہٹ کے بغیر چپکے سے دروازہ کھول کر باہر چلے گئے۔ میں خاموش جاگتی تھی۔ میں بھی پیچھے پیچھے ہو لی۔ میں نے دیکھا آپ قبرستان میں (جو مسجد نبوی کے بالکل قریب ہے) تشریف لے گئے۔ وہاں مُردوں کے حق میں دُعا کر کے آپ واپس آئے۔ میں بھی آپ کے آگے پہنچ گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تیرے اس کام کی خبر جبریل نے مجھے دی ہے" وغیرہ۔ [2] خانہ داری بالکل معمولی بات ہے۔ خاص کر جس خاوند

---

[1] بکواس

[2] سنن النسائي (۳۹٦۳)، ابن حبان: ٦ا/۴۵ (۷۱۱۰)
اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: لوگ خواہ کتنا ہی چھپالے، اللہ تعالیٰ تو جان ہی لیتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! پھر آپ نے فرمایا: (اصل بات یہ تھی) کہ جبریل (علیہ السلام) نے آکر مجھے آواز دی تھی، اس لیے میں چپکے سے نکل گیا تھا، یہ ایک طویل حدیث کا قطعہ ہے، لیکن اس حدیث میں مؤلف رحمہ اللہ کا نقل کردہ آخری فقرہ مذکور نہیں، واللہ أعلم!

بیوی میں زنا شو کی محبت کے علاوہ اعتقادی دل بستگی بھی ہو، وہاں تو بالکل اس شعر کی مصداق ہے۔

زدید نت نتو انم کہ دیدہ بر بند م
دگر مقابلہ بینم کہ غیر ے آید ❶

مصنف ''ھفوات'' کو جوسوجھتی ہے، نئی سوجھتی ہے، لکھتے ہیں:

''راوی حدیث نے رسول اللہ ﷺ سے عجب مسخرا پن کیا ہے۔ گویا رسولِ خدا جناب عائشہ کی اطاعت اس قدر کرتے تھے کہ اطاعت خدا بھی کرنی دشوار تھی اور جو موقع چھپ لپ کر مل جاتا، تو خوف زدہ دبے پاؤں گھر سے نکلتے اور بی بی صاحب تاک میں لگی رہتی تھیں کہ میری باری کے دن کہیں اور نہ جانے پائیں۔ اسی سبب سے سر پر اوڑھنی ڈال پائجامہ پہن رسول اللہ کے پیچھے پیچھے ہولیں۔ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عائشہ رسول اللہ کو بدعہد نامنصف سمجھتی تھیں۔ان کی نظر میں رسول اللہ کا کچھ وقار نہ تھا۔ نعوذ باللّٰہ''

(ھفوات،ص:۸۶)

اہلحدیث

ان سب باتوں کا جواب ایک ہی ہے'' یک عشق وصد بدگمانی۔''❷ معلوم نہیں مصنفِ ''ھفوات'' کو بیوی خاوند کے تعلقات معلوم نہیں یا ان پر گذری نہیں۔ ارے میاں! محبت کے تقاضے اس سے بھی بڑھ کر ہوتے ہیں۔

نہیں معلوم تم کو ما جرائے دل کی کیفیت

ہاں ننگے سر یا ننگے بدن تو گئی نہیں، بلکہ وہ خود کہتی ہیں کہ میں نے تہبند باندھا اور سر پر اوڑھنی رکھ لی۔ ہاں چار پائی پر بھی ننگی نہیں تھیں۔اگرچہ خاوند کے ساتھ ننگے بدن سونا

❶ تیرے دیکھنے سے مجھ میں اتنی سکت نہیں رہ جاتی کہ تمہارے مقابلے میں کسی غیر کو رکھا جائے۔

❷ ایک عشق اور سو بدگمانی۔

شرعاً یا اخلاقاً منع نہیں، ملاحظہ ہو:

﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ أَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ [1] بلکہ سونے کا کپڑا جو الگ ہوتا ہے وہ تھا، مگر باہر نکلنے کو وہ کافی نہیں ہوتا، اس لئے بڑا تہبند باندھ لیا، ہم ہر روز ایسا کرتے ہیں۔ ہاں آنحضرت ﷺ کا چپکے سے چھپ کر جانا بھی مصنفِ "ھفوات" نے بدگوئی کا موقع بنایا ہے۔ حالانکہ اس کی وجہ آنحضرت ﷺ کی زبانی اسی روایت میں آ چکی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

« وظننت أنك قد رقدت فكرهت أن أوقظك و خشيت أن تستوحشي » [2]

"یعنی میں (حضرت) نے سمجھا تھا کہ تو سو رہی ہے، اس لئے میں نے ناپسند کیا کہ تجھے جگاؤں اور (جاگنے کی حالت میں) مجھے خوف ہوا کہ (اکیلے مکان میں) تو ڈرے گی۔"

بتایئے کیا اعتراض؟ جوان بیوی ہے، گھر سنسان ہے۔ گھر میں کوئی دوسرا انسان نہیں۔ اُس کی نسبت خاوند کو ازراہ شفقت یہ خیال ہو کہ میں باہر جاتا ہوں۔ میرے پیچھے اکیلے مکان میں وحشت زدہ نہ ہو، اس لئے میں اسے بے خبری میں سوتا ہوا چھوڑ دوں۔ بتاؤ اس میں کیا گناہ؟ سچ ہے ؎

گل ست سعدی و در چشم دشمنان خارست

دل لگی......

دل چاہتا ہے کہ مصنف سے ہم بھی ذرہ دل لگی کریں۔ اس میں شک نہیں کہ مصنف شیعہ مذہب ہے۔ چنانچہ وہ اپنا عقیدہ خلفاء ثلاثہ راشدین کے حق میں ایک کتاب میں یوں لکھتا ہے:

---

[1] البقرة: ١٨٧ (وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو)

[2] سنن النسائي (٣٩٦٣)

”رسول اللہ کی آنکھ بند ہوتے ہی خلفائے راشدین جو تختِ حکومت پر رونق افروز ہوئے، وہ خاندان رسول کے سوا بے حد رحم دلی سے پیش آتے تھے“

(أغلاط المسلمین، مندرجه اصلاح، ص:٦)

ناظرین! یہ رافضیانہ عقیدہ جاننے کے بعد ہم مصنف کے مسلمہ امام کی ایک فعلی روایت سناتے ہیں:

« أن أبا جعفر علیه السلام کان یقول: ”من کان یؤ من بالله والیوم الآخر فلا یدخل الحمام إلا بمئزر“ وقال: قد دخل ذات یوم الحمام فتنوّر، فلما أن أطبقت النورة علی بدنه ألقی المئزر فقال له مولی له، بأبي أنت و أمي، إنك لتوصینا بالمئزر ولزومه وقد ألقیته عن نفسك! فقال أما علمت أن النورة قد أطبقت العورة ». (فروع کلیني، جلد دوم، کتاب التجمل)

”امام ابو جعفر فرمایا کرتے تھے کہ جو کوئی خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ حمام میں بغیر تہبند باندھنے کے (ننگا) داخل نہ ہوا کرے، ایک روز آپ نے حمام میں داخل ہو کر بدن پر (بال اتارنے کی دوا) نورہ ملا، جب سارے بدن پر مل چکے، تو تہبند اتار کر پھینک دیا، اُن کے ایک خادم نے عرض کیا حضرت! آپ ہم کو تہبند باندھنے کی بڑی تاکید فرمایا کرتے ہیں اور خود حمام میں تہبند اُتار پھینکا۔ امام نے فرمایا: تو نہیں جانتا، میں نے سارے بدن پر نورہ کا لیپ کر رکھا ہے (یعنی نورہ کی وجہ سے میں ننگا نہیں)“

مصنف اور مصنف کے ہم خیالوں کو چاہیے کہ برسات کے موسم میں گرمی کے دانوں (پت) کی وجہ سے ملتانی مٹی (گاچنی) مل کر بازار اور مسجد میں بغیر کپڑوں کے آجایا کریں، پھر دیکھیں لاہور کے پاگل خانہ میں بھیجے جاتے ہیں یا بریلی کے......؟

شیعہ مصنفو!

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا اپنی باری ہبہ کرنا

ابن ماجہ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جب بہت بوڑھی ہوگئی، یعنی مرد کی خواہش سے مستغنیٰ ہوگئی، تو اُس نے اپنی باری کا حق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا۔[1] مصنفِ ''ھفوات'' اس پر اعتراض کرتا ہے:

''غور کیجئے کہ جناب سودہ کے قصہ طلاق کے بعد جناب عائشہ کو اپنی باری کا دن بخشنے کا واقعہ ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور پھر وہ بھی اپنی زبان سے کہنا۔ ہائے غضب! ہائے غضب! بیبیاں ایسی باتیں غیر مردوں کے سامنے زبان سے بھی نکالتی ہیں کجا کہ اس کا ڈھنڈورا پیٹنا۔ بالکل مشاہدہ کے خلاف لہٰذا قابل اخراج'' (ھفوات، ص:۸۷)

اہلحدیث

اپنا حق کسی کو دے دینا نہ منع ہے، نہ معترض کو اس پر اعتراض ہے، ہاں اعتراض تو یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کے ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بس اس سوال کا جواب ہمارے ذمہ ہے، پس سنیے! پیغمبر علیہ السلام چونکہ بحکمِ قرآن ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[2]

---

[1] صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب المرأة تهب يومها من زوجها لضرتها وكيف يقسم ذلك، رقم الحديث (٤٩١٤)، صحيح مسلم: كتاب الرضاع، باب جواز هبتها نوبتها لضرتها، رقم الحديث (١٤٦٣)، سنن ابن ماجه: كتاب النكاح، باب المرأة تهب يومها لصاحبتها، رقم الحديث (١٩٧٢)

[2] [الأحزاب: ٢١] ''نبی تمہارے لیے نیک نمونہ ہے'' (مؤلف)

مسلمانوں کے لئے نیک نمونہ ہیں۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بطور شرعی مسئلہ کے بتایا کہ کسی مسلمان کو یہ موقع ہو، تو وہ بھی اس پر عمل کرلے۔

مذہبی اور تعلیمی شکل میں کسی واقعہ کا بیان کرنا، آپ کے نزدیک ڈھنڈورا پیٹنا معیوب کہا جائے، تو حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کا قصہ جو قرآن مجید میں ہے، کوئی کم ڈھنڈورا ہے! اس کی کیا حاجت تھی؟

اسی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک کام کرانے کے انعام میں اپنا ایک دن بخشا تھا[1] مصنف کو اُس پر بھی اعتراض ہے کہ اس ہبہ کو کسی اور عبارت سے کیوں نہ ادا کیا گیا (ص:۸۸) یعنی وہ نفس واقعہ پر معترض نہیں بلکہ الفاظ پر ان کو اعتراض ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جو الفاظ بھی تجویز ہوتے معترض کہہ سکتا تھا کہ ان الفاظ سے کیوں ادا کیا اور کیوں نہیں لائے گئے۔

مصنف صاحب!

ہم بھی آپ سے ایک سوال کرنا چاہتے ہیں توجہ سے سنیے!

حدیثِ شیعہ کی معتبر کتاب کلیني میں ذکر ہے:

"امام ابوعبداللہ جعفر صادق نے ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہونے کا ذکر کرکے فرمایا:

---

[1] سنن ابن ماجه: كتاب النكاح، باب المرأة تهب يومها لصاحبتها، رقم الحديث (١٩٧٣) مسند أحمد: ١٤٥،٩٥/٦، سنن النسائي الكبرى: ٣٠٠/٥، تهذيب الكمال: ١٩٨/٣٥، اس کی سند میں "سمية البصرية" ہے، حافظ ذهبي فرماتے ہیں: "لاتعرف"، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "مقبولة". (ميزان الاعتدال: ٢٣٥/٢، تقريب التهذيب: ٧٤٨، نیز دیکھیں: إرواء الغليل: ٨٥/٧) لیکن اس کی دوسری سند بھی ہے:

"قال النسائي: أخبرنا محمد بن خلف[ثقة] قال ثنا آدم[ثقة] قال ناسليمان بن المغيرة[ثقة] قال ثنا ثابت البناني[ثقة] عن أنس بن مالك......" (سنن النسائي الكبرى: ٣٦٩/٥، رقم الحديث (٩١٦٢) وطبعة أخرى: ٢٦٢/٨، رقم الحديث (٩١١٧) لہٰذا یہ حدیث "صحیح" ہے۔

"ذلك فرج غصبناه". (كتاب النكاح)[1]

شیعہ دوستو! جانتے ہو اس کا ترجمہ کیا ہے، نہیں جانتے ہو تو کسی شیعہ عالم سے پوچھو، اگر یہ عبارت ناپسند ہو، تو اُسی عالم کو کہو کہ اس عبارت کے سوا کسی دوسری عبارت میں یہ مضمون کیوں نہ ادا کیا گیا۔ وہ عبارت جو سراسر حیا وشرم کی ہو۔ وہ ہم بتائے دیتے ہیں۔ یوں کہتے "هي صبية غصبت" یعنی بجائے "فرج" کے "صبية" بولتے.

اہل بیت کے محبو! کیا کہتے ہو!!

امہات المومنین کے ہاں فاقہ کشی

حدیثوں میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے گھر میں کئی کئی دنوں تک آگ نہ جلتی تھی کھجوروں پر گزارہ تھا۔[2] مصنفِ "هفوات" نے اس قصہ کو لکھ کر اعتراض کیا ہے۔ جس کے متعلق معترض کے الفاظ یہ ہیں:

"صحاح وغیرہ میں ایسی احادیث بکثرت جناب ام المومنین عائشہؓ سے منقول ہیں کہ ہمارے ہاں دو دو ماہ تک چولہا نہ روشن کیا جاتا تھا، صرف پانی اور کھجور پر بسر تھی ۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ رسول ﷺ پر فاقے پڑتے تھے اور بعض صحابہ کے پیٹ سے ایک پتھر باندھا ہوتا اور رسول اللہ کے پیٹ سے دو پتھر۔ مراد یہ کہ جب رسول اللہ پر یہ محتاجی تھی، تو ازواج پر کیا نہ گذرتی ہوگی۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ رسول اللہ کی آخری حیات میں اُن کی زرہ ایک یہودی کے ہاں رکھی گئی، تو جو میسر آئے تھے اور بعض میں ہے کہ جب رسول اللہ کا انتقال ہوا، تو جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ میرے ہاں تھوڑے سے جَو پڑے ہوئے تھے، جن کو میں کچھ دنوں تک کھاتی رہی اور بعض میں ہے کہ

---

[1] الفروع من الكافي: ۳/۲٤٦

[2] صحيح البخاري: كتاب الهبة وفضلها، باب فضلها والتحريض عليها، رقم الحديث (۲٤۲۸)، صحيح مسلم: كتاب الزهد والرقائق، رقم الحديث (۲۹۷۲)

رسول اللہ کے پاس کچھ بھی نہ تھا، تو وصیت کیا کرتے۔ یعنی کسی کو وصی نہیں بنایا۔ مراد یہ کہ خلافِ قرآن رسول اللہ سے فرض ترک ہوا، دیکھو سورۂ بقرہ

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ﴾ ❶

غرض ایسی لغو کہانیاں صحاح وغیرہ میں اکثر حضرت عائشہ سے منقول ہیں، جس کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معاذ اللہ نہ رسول مآل اندیش تھے، نہ منتظم نہ صاحبِ سلیقہ" (ص:۸۸، ۸۹)

اہلحدیث

اس ساری بدگوئی کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قلیل المال کیوں کہا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید نے مہاجرین کو بطورِ عزت کے "فقراء" فرمایا ہے، غور سے سنو:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ﴾ ❷

"اے لوگو! دیکھو ان مہاجرین فقراء کی طرف جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔"

اس میں شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ خود بھی مہاجر تھے۔ عجیب سمجھ ہے کہ جس لقب کو خدا قرآن میں باعث عزت بیان کرے، معترض حدیث میں اُس کی تفصیل دیکھ کر منہ چڑھائے، یاللعجب!

نہانے کے بعد بیوی کے ساتھ لیٹ جانا

ہمارے ملک میں سرد موسم میں نہانے کے دو طریق ہیں:

① گرم حمام میں نہاتے ہیں، جس میں گرم پانی کے علاوہ مکان بھی خوب گرم ہوتا ہے۔

② گھروں میں نہاتے ہیں، جہاں پانی تو گرم ہوسکتا ہے مگر مکان کی گرمی حمام کے مثل

---

❶ البقرۃ: ۱۸۰

❷ الحشر: ۸

نہیں ہوتی، اس لئے نہانے کے بعد کپڑے پہن کر بدن کو سردی محسوس ہوتی ہے۔ بعض دفعہ تو دیر تک بدن کانپتا رہتا ہے، اس حالت میں لوگ گرم چائے پیتے ہیں آگ سینکتے ہیں

حدیثِ ابن ماجه میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت آئی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایسی حالت (سردی) میں میرے (بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا) سے لپٹ جاتے، تاکہ دونوں کے ملنے سے سردی جاتی رہے۔ [1]

بیوی خاوند کے قدرتی تعلقات پر نظر کر کے ایسا کرنا کسی طرح معیوب نہیں۔ مگر مصنفِ ''هفوات'' کو ہر بات نئی سوجھتی ہے، آپ لکھتے ہیں:

''دیکھیئے راوی نے کس چکر سے جناب ام المؤمنین کی حیاء سوزی کی ہے اور رسول اللہ پر بھی عداوت کا ہاتھ صاف کیا ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جسم کی گرمی لینی بغیر بالقصد چمٹنے کے ہو نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ راوی سے عدالت فرمائے۔

---

[1] سنن الترمذي:أبواب الطهارة،باب ماجاء في الرجل يستدفيء بالمرأة بعد الغسل،رقم الحديث (١٢٣)،سنن ابن ماجه:كتاب الطهارة،باب في الجنب يستدفيء بامرأته قبل أن تغتسل،رقم الحديث(٥٨٠)،مسند أبي يعلى:٢٦٠/٨،مصنف ابن أبي شيبة: ٧٦/١، المستدرك: ٢٥٦/١، سنن البيهقي:١٨٧/١،المعجم الأوسط: ٢٧٦/٢، مسند إسحاق بن راهويه: ٧٩٨/٣،مسندعلي بن الجعد:٣٣٣،شرح السنة:٣٠/٢.

اس کی سند میں "حريث بن أبي مطر الكوفي" راوی ضعیف ہے.دیکھیں:(التاريخ الكبير: ٧١/٣، الجرح والتعديل:٢٦٤/٣،الضعفاء للنسائي:٢٩،الضعفاء لابن حبان:٢٦٠/١،تهذيب الكمال: ٥٦٢/٥،تهذيب التهذيب:٢٠٥/٢،تقريب التهذيب:١٥٦)

امام بیہقی فرماتے ہیں:"تفرد به حريث بن أبي مطر وفيه نظر وروي من وجه آخر ضعيف عن علقمة عن عائشة مختصرا". امام أبوبكر بن العربي فرماتے ہیں:"حديث لم يصح ولم يستقم فلا يثبت به شيء".(عارضة الأحوذي:١٩١/١). نیز دیکھیں:النفح الشذي لابن سيد الناس وشرح أحمد شاكر على الترمذي:٢١١/١،والضعيفة للألباني(٥٦٥٧).

ہم کو حیرت ہے کہ قصرِ رسول میں بہت عورتیں مختلف درجوں کی تھیں، لیکن کسی بی بی تو کیا کسی مملوکہ کنیز سے بھی یہ برتاؤ رسول اللہ کا نہیں، جس سے قیاس ہوسکتا ہے۔ مگر عرب میں ایسی حیا سوز باتیں کرنے والی ان کے سوا اور کوئی نہ بیوی تھی نہ باندی۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ ایسا معدوم الحیاء سہاگ بھاگ اور کسی کی تقدیر میں ہی نہ تھا۔'' (ص:۹۵)

اہلحدیث

مقامِ غور ہے کہ جس بیوی سے اتنا ملاپ اور اتنا اتحاد کرنا جائز ہے کہ اُس ملاپ کے بعد غسل جنابت واجب ہوا ہے، اُسی بیوی سے بعد غسل ایسا معمولی ملاپ کرنا کیا معیوب ہے؟ مصنفِ ''ھفوات'' اگر قرآن مجید کی حکیمانہ تعلیم پر غور کرتے، تو اس میں بیوی خاوند کے خاص تعلق کے لئے ایک جملہ یوں پاتے:

﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ أَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ [1]

''عورتیں تم مردوں کا لباس ہیں، تم اُن کے لباس ہو۔''

رہا یہ کہ عائشہ۔رضی اللہ عنها وعن أبيها۔ اب یہاں بیان کیوں کرتی ہیں۔ سو اس کا جواب بارہا دیا گیا کہ اُمت کی ہدایت کے لئے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ امت مسلمہ کے لئے نمونہ تھے۔ جو کام آپ کرتے تھے، اُمت کو اس کا کرنا واجب، سنت، کم سے کم جائز ہے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چونکہ بہ نسبت دوسری بیویوں کے زیادہ تعلیم دیتی تھیں، اس لئے آپ ہر قسم کے واقعات بتاتی تھیں۔رضي الله عنهاو أرضاها، ہم بارہا بیان کرچکے ہیں اور ہر متاہل [عیالدار] انسان جانتا ہے کہ بیوی خاوند کا تعلق ایک بے تکلف تعلق ہے۔ ایسا بے مثل ہے کہ کسی انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ نہیں ہے، نہ ہوسکتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں اس تعلق کو ''لباس'' کے ساتھ تشبیہ سے بڑھا کر استعارہ کی شکل میں

---

[1] البقرة: ١٨٧

بیان فرمایا ہے۔ [1] اس تعلق میں مرد باوجود حاکم ہونے اور اعلیٰ مرتبہ رکھنے کے اپنی عورت کو اُس طرح بہلاتا ہے، جس طرح کبوتر یا مرغا باوجود زبردست ہونے کے اپنی مادہ سے تفریح کرتا ہوا اُس کو بہلاتا ہے۔ یہ فطرتِ انسان کے عین مطابق ہے، پیغمبر اسلام علیہ السلام کا طریقِ عمل عین فطرتِ انسانی کے مطابق تھا۔

نبی علیہ السلام کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ لگانا:

اس لئے حدیث ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سفر میں الگ ہو کر میرے ساتھ دوڑ کی، تو میں بھاگنے میں آگے نکل گئی۔ [2] اس پر بھی جناب معترض کو اعتراض سوجھا ہے، لکھتے ہیں:

> ''نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ کی بعثت صرف عائشہ کی دل لگی کی غرض سے ہوئی تھی اور اُن کو ہر طرح بہلاتے رہنا یہی کارِ رسالت تھا'' (ص:۹۶)

اہلحدیث

دلی کی زبان اور دلی کا رہنے والا مصنف بلکہ گورگانی شہزادہ اُردو لکھے اور وہ اس اُردو کو نہ سمجھے تو یہی کہا جائے گا:

> ''بارہ برس دہلی میں رہے اور بھاڑ جھونکتے رہے''

جناب! اس عبارت میں دو جگہ آپ نے حصر کا لفظ لکھا ہے۔ ''صرف'' اور ''یہی'' کیا ساری عمر میں ایک دفعہ کا کیا ہوا کام وہ بھی طبعی تقاضائے انسانی سے اُس پر ''صرف'' اور

---

[1] دیکھیں: البقرۃ: ۱۸۷

[2] سنن ابن ماجه: باب حسن معاشرة النساء، رقم الحديث(۱۹۸۹)، مسند أحمد:۳۹/۶، سنن النسائي الكبرى:۳۰۳/۵، ابن حبان:۵۴۵/۱۰، مسند الحميدي:۲۸۱/۱، مسند إسحاق بن راهويه:۲۸۹/۲، مسند علي بن الجعد:۴۸۰، المعجم الكبير:۴۷/۲۳. اس کی سند کو حافظ عراقی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ (تخريج أحاديث الإحياء:۴۸/۲) نیز امام ابن حبان اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

"یہی" کا لفظ آ سکتا ہے؟ آیئے میں آپ کو آپ کے گھر کی بتاؤں۔

ہندو مذہب کا حمایتی

آپ نے جو ایک کتاب گئور کھشا[1] میں لکھی ہے، جس کا نام رکھا ہے "أغلاط المسلمین" اُس کے ص۳۶ پر آپ لکھتے ہیں:

"ہندوؤں کا جنتی ہونا: جملہ ہندوؤں کو جہنمی سمجھنا مسلمانوں کی عقل کا فتور ہے۔"

اہلحدیث

مہاشہ جی! کہو یہ کون سا دھرم ہے؟

آپ کے اس فقرے کو یا اس کتاب "أغلاط" کو لے کر کوئی شخص یہ کہے کہ آپ کی پیدائش سے یہی غرض ہے کہ ہندوؤں کو جنتی بتائیں اور مسلمانوں کو ذبح بقر سے منع کریں۔ کیا آپ نے اس کے سوا کوئی اور کام نہیں کیا۔ پس اس حصر کو اُٹھا دیجیے، بلکہ یوں کہیے کہ پیغمبرِ اسلام میں منجملہ اغراض کثیرہ کے یہ غرض بھی داخل ہے کہ امت مسلمہ کو اپنی عورتوں کے ساتھ حسنِ معاشرت اور دل بہلاوے سے رہنا سکھائیں.

یہ عبارت اپنے معنیٰ میں چونکہ صاف ہے، لہذا ہم بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور اس تصدیق کی توثیق میں یہ شعر پڑھتے ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری[2]

جہالت کا کرشمہ

ص۹۷ پر "مدارج النبوت" کے حوالہ سے لکھا ہے:

"یزید بد بخت نے طمع کی عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان، پس پڑھی گئی یہ آیت ﴿وَ

---

[1] گائے کی حفاظت

[2] یوسف کا حسن، عیسیٰ کی سچائی، اور موسیٰ کا چمکتا ہوا ہاتھ ...... ان سب کی جو خوبیاں تھیں وہ اکیلے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہیں۔

لَا تَنْكِحُوْا اَزْوَاجه مِنْ بَعْدِه اَبَدًا﴾(سورہ احزاب)[1] اُوپر اس کے ممنوع ہوا اُس کام سے تو وہ باز رہا، انتھی بلفظہ۔

راوی صاحب نے رسول اللہ پر یزید کا احسان ظاہر کیا ہے اور جناب عائشہ کو شرمندہ اور رسول اللہ کو بے عزت۔ راوی حدیث یہ بیان تو کیوں کرتا کہ خلافت بنی امیہ میں رسول اللہ کی یہ عزت رہ گئی تھی کہ رسول اللہ کی بڑھیا جورو کو بھی بے عزتی رسول کے لئے ایک لونڈے نے تاکا۔ نعوذ باللہ۔ مگر اس پیچ میں یزید کی فضیلت ظاہر کر گیا کہ اُس نے حکم قرآن سُن کر پھر اس گناہ عظیم کی جرات نہ کی۔

خاک بد ہانش باد![2] یزید کو جنتی مشہور کرنے کی یہ تدابیر ہیں اور امام بخاری صاحب نے اپنی جامع میں یزید کی نسبت ''مغفور لہ'' لکھ ہی دیا ہے۔''

(ھفوات، ص:۹۷،طبع دوم، ص:۸۵، طبع اول، ص:۶۰)

اہلحدیث

جس روایت پر آپ کو اعتراض ہے، پہلے اُس کے الفاظ اور لب ولہجہ تو سن لیجئے۔ شیخ عبدالحق مرحوم اس روایت کو ان لفظوں سے بیان کرتے ہیں:

''در بعض کتب گفتہ اند کہ یزید شقی طمع کرد در عائشہ''[3]

آپ کو محدثین کا اصول معلوم ہوتا تو اس قسم کی بے سروپا روایت پر اعتراض نہ کرتے، بلکہ دیوار پر مارتے۔ پس ہمارا جواب یہ ہے کہ ایسی بے ثبوت روایات کو ہم نہ حجت جانتے، نہ کوئی چیز شمار کرتے ہیں۔ یہ روایت بھی اُسی قسم کی ہے، جو بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ شام کے وقت مغرب کی طرف جو سرخی ہوتی ہے، یہ اُس روز سے ہوتی،

[1] الأحزاب: ۵۳

[2] اس کے منہ میں خاک

[3] بعض کتابوں میں کہا گیا ہے کہ بدبخت یزید نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں طمع کی۔

ہے، جس روز حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت ہوئی‘‘

آیندہ کو ذرہ ہوش سے اعتراض کیا کریں!

امام بخاری رحمہ اللہ نے یزید کو ’’مغفورلہ‘‘ نہیں لکھا، بلکہ اُس جماعت کے حق میں روایت کیا ہے، جن کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری اُمت کی ایک جماعت جہازوں پر سوار ہوکر جہاد کرنے گئی ہے۔ خدا نے اُن سب کو بخش دیا۔[1] اُن میں یزید ہو یا اُس کا باپ جو اُس کام کو گیا ہوگا، وہ ’’مغفورلہ‘‘ ہے۔ ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْكَارِهُوْنَ﴾! (چاہے ناپسند کرنے والے ناک بھوں ہی چڑھائیں)

جونیہ کے ساتھ نکاح:

ص۹۸ پر ’’مدارج النبوت‘‘ مصنفہ شیخ عبدالحق دہلوی مرحوم کے حوالہ سے آنحضرت ﷺ کی منکوحہ جونیۃ کا ذکر بطور طعنہ کے لکھا ہے۔ اسی بیوی کے متعلق پہلے ص۲۰ ’’ھفوات‘‘ پر بھی اعتراض کیا ہے۔ اس کا جواب ’’اہلحدیث‘‘ مورخہ ۳ نومبر ۱۹۲۲ء میں مفصل دیا گیا ہے۔

جہالت کا کرشمہ

اسی ص۹۸ پر صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) اور حضرت حفصہ (رضی اللہ عنہا) پر اعتراض کیا ہے، جس میں صاحبِ ’’ھفوات‘‘ کے الفاظ یہ ہیں:

> ’’بخاری (كتاب النكاح، باب القرعة بين النساء إذا أراد سفرا) میں جناب عائشہ سے منقول ہے کہ جب آنحضرت سفر کا ارادہ فرماتے، تو اپنی ازواج کے نام پر قرعہ ڈالتے تھے، ایک بار ایسا ہوا کہ قرعہ میرے اور حفصہ کے نام پر نکلا اور ہم دونوں رسول اللہ کے ساتھ گئیں، آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ رات

[1] صحيح البخاري: كتاب الجهاد والسير، باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء، رقم الحديث (٢٦٣٦) وباب ماقيل في قتال الروم، رقم الحديث (٢٧٦٦)، صحيح مسلم: كتاب الإمارة، باب فضل الغزو في البحر، رقم الحديث (١٩١٢).

کو سفر میں چلتے چلتے مجھ سے باتیں کیا کرتے تھے۔ حضرت حفصہ کو اس پر رشک ہوا۔ پس حفصہ نے مجھ سے کہا کہ آج ایسا کرو کہ میں تمہارے اُونٹ پر سوار ہو جاؤں اور تم میرے اُونٹ پر، پھر دیکھو کیا تماشا ہوگا، جو تم نے نہیں دیکھا، وہ دیکھو گی اور جو میں نے نہیں دیکھا وہ دیکھوں گی۔ میں نے اس تجویز کو قبول کیا اور حسب تجویز ایک منزل پر ایک دوسرے کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ آنحضرت حسب عادت میرے اُونٹ کے پاس تشریف لے گئے اور سلام کیا (لیکن اس پر جناب حفصہ سوار تھیں، آنحضرت میرے اونٹ کی طرف تشریف نہ لا کر اپنی سواری پر چلے گئے) [1] جب صبح کو منزل پر اُترے، تو جناب عائشہ فرماتی ہیں:

《 فلما نزلوا جعلت بين الإذخر وتقول يا رب سلط علي عقربا أو حية تلدغني ولا أستطيع أن أقول له شيئا》

کہ میں نے اپنے دونوں پاؤں اذخر گھاس میں ڈال دیئے اور اپنے تئیں کو سنے لگی کہ اے خدا! مجھے بچھو کاٹ لے یا سانپ ڈس جائے تو اچھا تا کہ [2] میں آنحضرت ﷺ سے بات نہ کر سکوں۔ انتهى ملخصا

ہم تو خوش اعتقادی سے مان لینے کے واسطے تیار ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اذخر جیسی گھاس اندیشناک میں پاؤں ڈال دیئے کہ جس میں اکثر سانپ بچھو رہتے ہیں، جیسے صندل کے درختوں اور کیوڑے کے

---

[1] دو قوسوں کے درمیانی الفاظ حدیث کے نہیں ہیں، حدیثِ بخاری میں صرف اتنا ہے کہ آنحضرت نے سلام کہا، پھر چلتے رہے یہاں تک کہ منزل پر اترے۔ (مؤلف)

[2] یہ ترجمہ غلط ہے۔ "تا کہ" نہیں، بلکہ جملہ الگ ہے یعنی کلام یوں ہے: "یا اللہ مجھ پر سانپ مسلط کردے، جو مجھے کاٹے اور میں حضرت کی خدمت میں کچھ کہہ نہیں سکتی، کیوں کہ میں نے خود یہ کام کیا تھا (مؤلف)

بنوں میں، اور پھر کسی موذی جانور نے آپ کو ایذا نہ دی، تو یقیناً یہ آپ سے معجزہ یا کرامت صادر ہوئی۔ لیکن اس حدیث کے اس پہلو پر جب نظر ڈالتے ہیں کہ دونوں امہات فریبی، آپس میں بھی چال چکمیں چلا کرتی تھیں اور ہر بہانہ سے شوہر کی قربت چاہتی تھیں اور آنحضرت کو بھی دھوکہ دیتی تھیں، تو اس وقت سوائے سکوت کے اور بات بن نہیں آتی۔ لہٰذا قابلِ اخراج!"

اہلحدیث

بخاری میں یہ روایت ہے۔ مگر جن لفظوں میں ہے، وہ خانگی حیثیت میں بالکل معمولی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے دل لگی کی ایک بات کی، جیسے سہیلیاں بھول بھلیاں کھیلا کرتی ہیں۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس پر دل میں معمولی خجالت ہوئی، تو انھوں نے اپنے لیے سزا تجویز کرلی اور اظہار کیا کہ قصور میرا ہے، آنحضرت ﷺ کی اس میں ذمہ داری نہیں، اس لئے آنحضرت ﷺ کو اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی کہ آپ کہاں تشریف فرما رہے۔ کیونکہ

"ہرچہ بر ماست از ماست" [1]

اس میں نہ آنحضرت ﷺ کو دھوکہ ہوا، بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ علم بھی نہیں ہوا ہوگا۔ حیرانی ہے، قرآن مجید میں حضرت لوط اور حضرت نوح علیہما السلام کی بیویوں کا ذکر تو ان لفظوں میں ہو کہ

﴿كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا﴾ [2]

"ان دونوں پیغمبروں کی بیویوں نے ان دونوں کی خیانت (نافرمانی) کی۔"

اس صریح خیانت سے نہ تو ان حضرات کی نبوت میں شک ہو، نہ معترض صاحب

---

[1] ہم پر جو کچھ بھی مصیبت ٹوٹتی ہے وہ ہماری اپنی وجہ سے ہی ہوتی ہے

[2] التحریم: ۱۰

اس واقعہ پر اعتراض کریں۔ مگر آنحضرت ﷺ کی دو بیویاں معمولی دل لگی کے طور پر سہیلیوں کی طرح بھول بھلیاں کریں، تو صاحبِ "ھفوات" کی آنکھیں نیلی ہو جائیں۔

این چہ بوالعجبی ست![1]

نبی علیہ السلام کا اپنی ازواج کو اختیار دینا

"ھفوات" ص۱۰۰ پر مصنف نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے، جس میں ذکر ہے کہ جب قرآن مجید کی یہ آیت اُتری:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَ أُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴾[2]

"اے پیغمبر! اپنی بیویوں کو کہو کہ اگر تم دُنیا کی زندگی اور سجاوٹ چاہتی ہو، تو آؤ میں تم کو کچھ دے دلا کر عزت کے ساتھ چھوڑ دوں"

جب یہ آیت اُتری، تو آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے عائشہ کو کہا: میں تجھے ایک بات کہوں اُس کے جواب میں جلدی نہ کرنا، ماں باپ سے مشورہ کر کے جواب دینا۔ عائشہ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم تھا کہ میرے ماں باپ مجھے ایسا مشورہ نہ دیں گے کہ آنحضرت ﷺ سے جدا ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں اپنی بیویوں کو یہ پیغام دوں (جو اوپر کی آیت میں مذکور ہے) عائشہ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: حضور! آپ کے بارے میں میں ماں باپ سے مشورہ کروں؟ میں تو اللہ و رسول کو چاہتی ہوں۔ (بخاری)[3]

اس سیدھے سادے بیان پر جو درحقیقت آیت قرآنی پر عمل ہے۔ رافضی معترض کو کیا

---

[1] یہ کیا عجب پن ہے!

[2] الأحزاب: ۲۸

[3] صحيح البخاري: كتاب المظالم، باب الغرفة والعلية المشرفة في السطوح وغيرها، رقم الحديث(۲۳۳٦)، صحيح مسلم: كتاب الطلاق، باب بيان أن تخيير امرأته لا يكون طلاقا إلا بالنية، رقم الحديث(۱٤۷٥)

سوجھی، لکھتے ہیں:

"دیکھئے! کہاں رسول اللہ کا حضرت عائشہ پر مفتون و فریفتہ ہونا اور کہاں یہ بیزاری کہ سب سے پہلے طلاق لینے کا اختیار دیا بھی تو انہی چہیتی کو"

(هفوات، طبع دوم، ص:۸۸ ،طبع اول، ص:۶۲)

اہلحدیث

ہم نے صحیح بخاری سے جو الفاظ نقل کیے ہیں۔ خود اُن میں اس سوال کا جواب موجود ہے، کیونکہ اُس روایت میں صاف ذکر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مجھے ماں باپ سے مشورہ لے کر جواب دینے کی بابت فرمایا، تو اُس کی وجہ یہی تھی کہ آپ جانتے تھے کہ میرے ماں باپ مجھے ایسا مشورہ نہ دیں گے، اس کا مفہوم صاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا ہی طلاق دینے کا نہ تھا، باوجود اس تصریح کے معترض کی اعتراض پر رال ٹپکے تو بجز اس کے کیا کہا جائے ؎

خوئے بد را بہانہ بسیار

نبی علیہ السلام کا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینا

اسی ضمن میں آپ نے بروایتِ ابن ماجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیوی حفصہ کو طلاق دے کر رجوع [1] کر لینے کا ذکر کر کے کہا ہے:

"اس حدیث میں غور کر لو کہ کیا آیہ تطہیر انہی ازواج کے لئے نازل ہوئی تھی، جنھوں نے رسول اللہ جیسے کریم رحیم شوہر کو ایسا بیزار کر رکھا تھا کہ وہ طلاق دینے پر آمادہ ہو گئے، بلکہ طلاق دے ہی دی" (حوالہ مذکور)

اہلحدیث

خدا برا کرے تعصب اور ضد کا جو انسان کو اندھا کر دیتے ہیں، کجا واقعہ طلاق اور کجا

---

[1] سنن ابن ماجه: كتاب الطلاق، باب حدثنا سويد بن سعيد، رقم الحديث (٢٠١٦). اس حدیث کو امام ابن حبان، حاكم، ذهبي نے "صحیح" قرار دیا ہے، نیز دیکھیں: فتح الباري: ۲۸۶/۹

آیتِ تطہیر سنو! آیتِ تطہیر ہی کا یہ اثر تھا کہ طلاق کے بعد بھی آنحضرت نے رجوع فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ رنجش کوئی ایسی بات تھی، جو میاں بیوی میں گاہے بگاہے ہو جایا کرتی ہیں جو آیتِ تطہیر کے کسی طرح مخالف نہیں۔

ابھی میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ واقعہ حفصہ (رضی اللہ عنہا) بالکل اُس واقعہ کے مشابہ ہے، جو خاتونِ جنت فاطمة الزهراء اور شیرِ خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (میاں بیوی) میں ہوا۔ جو "ابوتراب" کنیت کی وجہ بنا تھا، ایک روز آنحضرت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گئے۔ پوچھا کہ علی رضی اللہ عنہ کہاں ہے؟ بتایا گیا کہ رنجیدگی میں کہیں نکل گئے ہیں۔ آپ نے دیکھا تو مسجد نبوی میں خالی زمین پر رنجیدگی میں ننگے بدن لیٹے ہیں، جسم مبارک پر مٹی لگ رہی ہے، اُس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« قم أبا تراب! » [1]

"اے ابوتراب (خاک آلودہ) اُٹھ!"

جس طرح یہ واقعہ خاتونِ جنت کو آیتِ تطہیر میں داخل ہونے سے مانع نہیں، اسی طرح حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا واقعہ بھی مانع نہیں۔ ان دونوں واقعات میں کوئی فرق نہیں، فرق صرف معترض کی سمجھ کا ہے، سچ ہے

گل است سعدی و در چشمِ دشمناں خارست [2]

---

[1] صحيح البخاري: أبواب المساجد، باب نوم الرجل في المسجد، رقم الحديث (٤٣٠)، صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه، رقم الحديث (٢٤٠٩)

[2] ابوتراب کنیت ان لوگوں کو بجتی ہے، جو طبیعت نرم اور اخلاق پاکیزہ رکھتے ہوں، برخلاف ان لوگوں کے جو طبیعت کے سخت اور بد آخلاق ہوں، ان کو کہنا چاہیے

پندت اے ابوتراب مے گویم ۔۔۔ خاک شو پیش زانکہ خاک شوی (مؤلف)

"اے ابوتراب تمھیں ایک نصیحت نہ کروں...... اس سے پہلے کہ پیوندِ خاک ہو جائے، خاک ہو جا۔

معترض کی کج فہمی

اسی ص ۱۰۰ پر بخاری کی کتاب التفسیر سے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ جب یہ آیت اُتری ﴿ تُرْجِي مَنْ تَشَآءُ ﴾ [1] یعنی آنحضرت ﷺ کو اختیار ملا کہ جس بیوی کو چاہو اپنے پاس رکھو، جس کو چاہو ہٹا دو۔ یعنی پوری تقسیم آپ پر فرض نہیں، تو عائشہ صدیقہ نے عرض کیا: حضور ﷺ! میں دیکھتی ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کی خواہش جلد پوری کر دیتا ہے، [2] اس روایت پر صاحبِ ''ھفوات'' نے اعتراض کیا ہے کہ

> ''ہم تو ایسی حدیثوں کی نسبت یہ کہنے کو تیار ہیں کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کی طرف ہمہ تن مصروف ہوتا ہے، اُس کا ہر فعل خدا کا فعل ہو جایا کرتا ہے، اسی بنا پر آیۂ مذکور نازل ہوئی، جس کی تصدیق حضرت عائشہ نے فرمائی، لیکن مخالف دوسرے معارض پہلو پر جاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ جناب عائشہ نے اس قرآنی حکم کے نزول کو اپنے خلافِ مرضی پا کر بنظر طعن یہ بات کہی، جیسی آپ کی خواہش ہوتی ہے، ویسا ہی حکم خدائے تعالیٰ جھٹ نازل فرما دیتا ہے۔ یعنی معاذ اللہ آپ کی رسالت بناوٹی ہے، جیسا فعل آپ کرنا چاہتے ہیں، خدا کے نام سے ویسی ہی آیت گھڑ دیتے ہیں۔ نعوذ باللہ

(ھفوات، طبع سوم، ص: ۱۰۱، طبع دوم، ص: ۸۹، اول، ص: ۶۳)

اہلحدیث

جب کوئی آدمی مخالفت ہی پر تل جائے، تو اُسے مخالفت ہی سوجھتی ہے۔ دیکھئے آپ (مصنفِ ھفوات) ہندوؤں کی گئو شالہ کے سیکرٹری بنے ہیں، شائد اس نیت سے بنے ہیں کہ یہ سوسائٹی گائے کی حفاظت کرتی ہے، جو ایک اچھا فعل ہے، مگر بہت ممکن ہے کہ

---

[1] الأحزاب: ٥١

[2] صحيح البخاري: كتاب التفسير، باب قوله (ترجي من تشاء منهن……) رقم الحديث (٤٥١٠)، صحيح مسلم: كتاب الرضاع، باب جواز هبتها نوبتها لضرتها، رقم الحديث (١٤٦٤)

آپ کا مخالف آپ کی نسبت بدگمانی پھیلائے کہ آپ دل سے ہندو ہیں، تو آپ اُس کو کیا جواب دے سکتے ہیں؟ بجز اُس کے کہ آپ یہ کہیں کہ میری نیت کو اس نے غلط سمجھا، میں ہندو نہیں ہوں۔

اسی طرح آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نیت کو بگاڑا ہے۔ اُن کی نیت۔معاذ اللہ۔ عام خیال پر نہ تھی، جس کا مطلب یہ ہو کہ آپ (رسول اللہ) جو چاہتے ہیں، خدا کے نام سے بنا لیتے ہیں. ہرگز نہیں، بلکہ یہ تھی کہ خدا آپ کی مراد پوری کر دیتا ہے۔ اس میں نبوت کی تصدیق ہے، نہ تکذیب، تکذیب صرف آپ کے ''ھفوات'' کی ہے۔ دگر ہیچ [1]

امہات المومنین کا اعتکاف بیٹھنا

ص۱۰۲ پر صحیح بخاری وغیرہ سے وہ قصہ نقل کیا ہے، جس میں ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان میں اعتکاف کیا، تو بیویوں نے بھی اعتکاف کے خیمے مسجد نبوی میں لگوائے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: کیا تم ان بیویوں کے اس فعل کو نیکی کا کام جانتے ہو؟ [2] نہیں، بلکہ یہ ایک دوسرے کی ریس ہے۔

مطلب بے شک یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اُن کے اس اعتکاف کو محض اعتکاف نہیں قرار دیا، ہم بھی مانتے ہیں، بلکہ اس اعتکاف کی تہہ میں محبتِ زوج داخل تھی، جو نہ بحیثیت مذہب بری چیز ہے، نہ بحیثیت اخلاق، لیکن چونکہ اُس کو ایک عبادت کی صورت میں دکھایا گیا تھا، اس لئے حضور ﷺ نے اپنی صحیح رائے ظاہر فرمادی، ورنہ درحقیقت خاوند کی بیوی سے اور بیوی کی خاوند (خاوند بھی رسول) سے محبت کا ہونا فطری اور مذہبی دونوں اصول سے مستحسن ہے، غور سے سنیے بانی فطرت فرماتا ہے:

---

❶ دوسرا کچھ نہیں۔

❷ صحيح البخاري: كتاب الا عتكاف، باب اعتكاف النساء، رقم الحديث (١٩٢٨)، صحيح مسلم: كتاب الاعتكاف، باب متىٰ يدخل من أراد الاعتكاف في معتكفه، رقم الحديث (١١٧٣)

﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا إِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً﴾[1]

"یعنی خدا کی قدرت کے نشانوں میں سے ایک نشان یہ بھی ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم اُن سے راحت حاصل کرو اور تم (میاں بیوی) میں محبت اور رحمت پیدا کی (تاکہ تم سلوک سے رہو)".

یہ ہے قانون قدرت اب سنیے معترض کی داستان، کہتے ہیں اور بڑی معذرت سے کہتے ہیں:

"مشاہدہ ہے کہ عورتوں کی طبیعت میں سوکناپے کی جلن ہوا کرتی ہے، جیسے مردوں میں رقابت کی، پس عورت ہونے کی نوعیت کے سبب اگرام المؤمنین سے بھی ایسی ریائی لغزش ہوگئی ہو، تو تعجب کا مقام نہیں اور نہ یہ بات قابل طعن، لیکن یہ قصر رسالت کی عورتیں ہیں، ان کی نسبت عبادت ریائی کا الزام اسلام کے لئے معیوب ہے، دوم ایسے الزام سے رسول اللہ کے انتخاب کی غلطی پائی جاتی ہے کہ ایسی ریاکاروں کو ہم خوابہ بنایا اور جو بنا بھی لیا تو رسول اللہ نے ایسی عورتوں کو طلاق کیوں نہ دی۔ غرض ان بیبیوں کی توہین سے اسلام وبانی اسلام پر حرف آتا ہے۔ لہذا ان لغویات کو خارج فرمایا جائے تو مناسب!(ھفوات، طبع دوم، ص:۱۰۲ ،سوم، ص: ۹۰ ،اول، ص:٦٥)

اہلحدیث

ہم تو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جیسی محبات و محبوبات عورتیں ملی تھیں، ایسی ہر ایک کو ملیں، اگر حضور ﷺ کا انتخاب غلط ہوتا، تو خداوند عالم ان بیویوں کے حق میں کیوں فرماتا:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾[2]

---

[1] الروم: ۲۱

[2] الأحزاب:۳۲

پر اعتراض کرتا ہے:

''ممکن تھا کہ راوی حدیث کسی کا نام نہ لے کر شکستِ صوم کی قضاء و کفارہ کی نسبت استفتاء اور اُن کے جواب کا ذکر کر دیتا، لیکن بغیر توہین امہات المومنین راوی کو چین کیونکر آتا۔ ایسی احادیث کی بناؤں پر دشمن کہتے ہیں کہ یہ بھوکے گھروں کی بیٹیاں بھرے گھر میں بھی پیٹ پر سے دین وایمان قربان کرنے والیاں تھیں، ان کو قصرِ نبوت کے لیے انتخاب کرنا سخت غلطی ہوئی، معاذ اللہ! براہ کرم ایسے ہفوات کو خارج فرمایئے'' (ص:۱۰۳)

اہلحدیث

سنی شیعہ میں ایک اصول متفق علیہ ہے کہ نفلی روزہ کا کسی وجہ سے افطار کر دینا جائز ہے، چنانچہ شیعہ کی معتبر کتاب ''فروع کافی، کلینی'' کی ''کتاب الصوم'' میں اس مضمون کی روایات بکثرت ہیں، منجملہ ایک درج ذیل ہے:

" قلت لأبي الحسن القاضي: أدخل على القوم وهم يأكلون وقد صليت العصر وأنا صائم، فيقولون: أفطر فقال: أفطر فإنه أفضل". (ص:۳۹٤)

''راوی کہتا ہے، میں نے امام ابوالحسن سے عرض کیا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے، میں کسی جماعت کے پاس جاتا ہوں اور وہ کچھ کھا رہے ہوتے ہیں اور میں روزہ دار ہوتا ہوں، حال یہ ہے کہ وقت بھی ایسا ہوتا ہے کہ میں نماز عصر

= علي بن مديني، بخاري، ترمذي، دارقطني، بيهقي، نسائي وغيرهم نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے، اور اس کی مرسل سند ہی ''صحیح'' ہے، لہذا یہ حدیث مرسل ہونے کی بناء پر قابل احتجاج نہیں ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: العلل لابن أبي حاتم: ۲۵۱/۳، العلل ومعرفة الرجال: ۲۵۰/۳، تاريخ ابن معين للدوري: ۲٦۰/۳، الضعفاء للعقيلي: ۸۳/۲، التحقيق لابن الجوزي: ۱۰۲/۲، سنن البيهقي: ۲۷۹/٤-۲۸۱، فتح الباري: ۲۱۲/٤، سلسلة الأحاديث الضعيفة (۵۲۰۲).

"اے نبی کی بیویو! اس وقت دُنیا میں تمہارے جیسی کوئی نہیں"

پس ایسے معمولی واقعہ کو زیرِ بحث لانا، درحقیقت رائی کا پہاڑ اور بات کا بتنگڑ بنانا ہے۔

معترض اور اُس کی پارٹی سے ایک سوال

یہ روایت تو بھلا سنّیوں کی ہوئی، جس پر آپ لوگوں کو سوال کی رال ٹپکتی ہے، آیئے ہم ایک متفقہ مشترکہ روایت آپ کو سنائیں اور ایک سوال کا جواب پوچھیں:

کون مسلم غیر مسلم ہے جو نہیں جانتا کہ خلیفہ چہارم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جنگ ہوئی، جس میں بہت سے مسلمان فریقین کے کام آئے۔ بیوہ کا یہ فعل یقیناً رافضہ کو قبیح ترین معلوم ہوتا ہوگا، حالانکہ واقعہ ہوا ہے، تو کیا صدیقہ عائشہ کو بیوی بنانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غلطی ہوئی یا اُن کے اس فعل سے پیغمبر اسلام اور منزلِ قرآن (خدا) پر حرف آیا؟

ذرہ انصاف سے کہیو خدا لگتی!

نفلی روزے کو توڑنا

ص ۱۰۲،۱۰۳ پر مصنفِ "ھفوات" نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے نفلی روزہ رکھا تھا، مگر سخت اشتہا کے وقت کھانا کھالیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا: اس روزہ کے بدلے میں ایک روزہ اور رکھو۔ [1] معترض اس

---

[1] سنن أبي داود: كتاب الصيام، باب من رأى عليه القضاء، رقم الحديث(٢٤٥٧)، سنن الترمذي: أبواب الصوم، باب ماجاء في إيجاب القضاء عليه، رقم الحديث(٧٣٥)، سنن النسائي الكبرى: ٢٤٧/٢، المؤطا: ٣٠٦/١، مسند أحمد: ١٤١/٦، مسند إسحاق بن راهويه: ١٦٠/٢، ٣٥٣، ابن حبان: ٢٨٤/٨، مسند أبي يعلى: ١٠١/٨، شرح معاني الآثار: ١٠٨/٢، مصنف عبد الرزاق: ٢٧٦/٤، مصنف ابن أبي شيبة، ٢٩٠/٢، مسند الشافعي: ٨٤، المعجم الكبير: ٣٦٣/١١، المعجم الأوسط: ٣٠٧/٥، ٢٥١/٦، ٢٨٦، ٢٤٣/٧، مسند الشاميين: ٧١/١، المعجم الصغير: ٢٩٥/١، سنن البيهقي: ٢٧٩/٤. یہ حدیث مرسل وموصول دونوں طرق سے مروی ہے، موصول سند کو رواۃ کے ضعف اور اضطراب واختلاف کی وجہ سے امام أحمد، ==

پڑھ چکا ہوتا ہوں ،وہ مجھے کہتے ہیں ، ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جا ! کیا میں ایسے حال میں افطار کرلیا کروں ۔ فرمایا ہاں افطار کرلیا کر، یہ افطار روزہ سے اچھا ہے''

بتایئے !محض کھانے کے لئے نفلی روزہ کو سلام کہا جاتا ہے ، کیا ایسی تعلیم دینے والے آئمہ شیعہ پر بھی یہ لفظ بولو گے اور یہ کہاوت سناؤ گے کہ

''دو اور دو چار روٹیاں''

پس جو کام جائز ہے اور اسی لئے جائز ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو جائز فرمایا ہے، اُس پر اعتراض کیا ؟ فاندفع ما أورد! [1]

عورتوں کا فتنہ

ص۱۰۶ پر صحیح بخاری سے ایک روایت لکھی ہے ، جس کے الفاظ یہ ہیں:

((ما ترکت بعدي فتنة أضرّ علی أمتي من النساء)) [2]

یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے بعد کوئی فتنہ عورتوں سے زیادہ ضرر دینے والا نہیں چھوڑا''

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں فتنے متعدد قسم کے ہیں ، جیسے ایک کہاوت مشہور ہے:

''زن ، زر ، زمین''

---

[1] تو اس کا پیش کردہ اعتراض زائل ہو گیا۔

[2] صحیح البخاري: کتاب النکاح، باب مایتقی من شؤم المرأة، رقم الحدیث (٤٨٠٨)، صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء والتوبة، باب أکثر أهل الجنة الفقراء......، رقم الحدیث (٤٧٤٠). ولفظ الحدیث: "ما ترکت بعدي فتنة أضرّ علی الرجال من النساء". مؤلف رحمہ اللہ کے نقل کردہ مذکورہ بالا الفاظ بھی بعض روایات میں مروی ہیں دیکھیں: مسند أحمد: ٥/٢٤٩، مسند الحمیدي: ٢٤٩/١.

اس کہاوت میں بھی ''زن'' کو مقدم رکھا ہے، کیونکہ اس کا فتنہ بہت بڑا ہے، مثلاً کسی کا مال کوئی چرا لے، ممکن ہے وہ صبر کر جائے، سواری چرا کر اُس کے سامنے اس پر سوار ہو کر چلتا پھرے، ممکن ہے وہ خاموش رہے، نہ ہو تو قیمت لے لے، لیکن کسی عورت کو اس طرح لے جائے، تو خون خرابے تک ضرور نوبت پہنچے گی۔ چونکہ مسلمانوں میں خوفِ خدا پیدا ہونے کی وجہ سے زر اور زمین پر جھگڑے ایک حد تک ختم ہو چکے تھے۔ مگر زن کا جھگڑا ناممکن الانقطاع ہے، چنانچہ بانی فطرت نے فرمایا ہے:

﴿عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ﴾ [1]

''خدا کو خوب معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کو یاد کیا کرو گے''

اس لئے اس فتنہ کو ''أضر'' فرمایا۔

اس فطری تعلیم پر صاحبِ ''هفوات'' کو کیا سوجھی، کس زور سے عداوتی غبار نکالا ہے کہ ''الأمان والحفیظ!'' الفاظ نبویہ میں اپنی طرف سے معنیٰ ٹھونس ٹھونس کر اعتراض کیے ہیں، اُن کے الفاظ یہ ہیں:

> ''حدیث کے موجودہ الفاظ کے سیاق سے امت عام کی ازواج کے فتنہ سے مراد رسول معلوم ہوتی ہے، جس میں کافر و مشرک و مسلمان سب شریک ہیں مگر خدا کے رسول کا کلام ایسا نہیں ہوا کرتا کہ جو فتنے حضرت آدم سے آنحضرت ﷺ کی حیات تک لاکھوں اور کروڑوں گذر گئے اور قیامت تک عورتوں میں سے بعض کے فتنوں کی یقینی توقع ہے، تو ایسے عام فتنوں کی تخصیص اپنی اُمت سے کرنی پیغمبر خدا کی عقل اور عرفان اور علوم وہبی سے بسا بعید ہے، بلکہ اس حدیث میں بعض ام المؤمنین کے فتنوں سے مراد ہوگی جو اس حدیث سے اُوپر ابھی بیان کیے گئے۔ پس ضرور ہے کہ محدثین اول نے بعض ام المومنین کے فتنوں کی نسبت الفاظ صریح لکھے ہوں گے، مگر اُن

[1] البقرة: ۲۳۵

کے اخلاف نے بمصالحت وحمایتِ مذہبِ حدیث کے بعض الفاظ بدل کر کلام رسول کو لغو کر دیا، لیکن مناسب تو یہ تھا کہ تحریف حدیث کی جائے اسے کتب سے خارج ہی کر دیتے، لیکن ہم درخواست کرتے ہیں کہ اسے خارج فرمادیجئے"

اہلحدیث

کس قدر دیانت و امانت کے خلاف ہے کہ ایک سیدھے مضمون پر اعتراض جمانے کو اُسے ٹیڑھا کیا جائے ، کہاں عام اُمت کا ذکر اور عام فتنہ کا ذکر، کہاں خاص اُمہات المؤمنین پر افتراء اور بہتان ، افسوس ہے اس دیانت اور تعجب ہے ایسی امانت پر، إنا للّٰہ......

روضۃ الأحباب سے ایک روایت

مصنف "ھفوات" نے ص۱۰۳ پر "روضۃ الأحباب" مطبوعہ انوار محمدی کی جلد سوم کے ص۱۲ سے ایک عبارت نقل کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اعتراض جمایا ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللّٰہ) کافر جانتی تھیں۔ حالانکہ "روضۃالأحباب" مطبوعہ انوار محمدی پریس کی جلدیں ہی کل دو ہیں۔ سوم جلد ہی نہیں۔ بغرض تحقیق ہم نے یہ عبارت جلد دوم کے ص۱۲ وغیرہ مقامات پر بھی دیکھی، مگر نہیں ملی ، اس لیے جواب سے جو اب، اُس عبارت کے الفاظ یہ ہیں ، کسی صاحب کو ملے تو اطلاع دیں ،تا کہ جواب دیا جائے ،عبارت یہ ہے:

بالجملہ ازیں امور حائل و باعث شد مر عائشہؓ را کہ در شان عثمان گفت لعن اللّٰہ نعثلاً (خدا لعنت کرے نعثل پر)[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشی

ص۱۰۴ پر صحیح بخاری کی ایک روایت کی طرف اشارہ کر کے لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی تھی، اُن کا نام نہ لیتی تھیں۔

واقعہ صرف اتنا ہے کہ آنحضرت ﷺ مرض الموت میں دو آدمیوں کے کندھوں پر

[1] یہ امور عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں کہنے کا سبب بنے

ہاتھ رکھ کر مسجد میں نماز کے لئے تشریف لے گئے ۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک کا نام عباس بتایا،دوسرے کو دیکھا نہ ہوگا ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے راوی کو کہا وہ علی تھے۔ [1] حالانکہ بات بالکل معمولی ہے،مگر دشمن کو بات مل گئی ، اس سے نتیجہ نکالا کہ علی رضی اللہ عنہ سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی دشمنی تھی اسی لئے نام نہیں لیا۔

اچھا صاحب !اصل حقیقت تو اتنی ہے کہ نام نہیں لیا۔جس کی وجہ ایک تو ہم نے بتائی کہ دیکھا یا پہچانا نہ ہوگا ۔ دوسری آپ نے بتائی کہ عداوت تھی۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ میں رشتہ کیا تھا ؟ کچھ شک نہیں رشتہ میں حضرت عائشہ بڑی ہیں ۔ دین کی وجہ سے علی کی ماں ہیں ۔ دُنیاوی رشتہ کی وجہ سے ساس ہیں ۔ پھر اگر اس قسم کے دہرے رشتہ میں بڑے رُتبہ کا رشتہ دار اتنا ناراض ہو کہ چھوٹے کا نام نہ لے،تو قصور کس کا؟ سنیے قرآن مجید اس کا عملی جواب دیتا ہے،غور سے سنیے:

حضرت یونس علیہ السلام کا ایک فعل (قوم سے چلا جانا) جو خدا کو ناپسند آیا اُس کی سزا دی، پھر معاف بھی کر دیا۔ اُن کے ذکر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ﴾ [2]

''اس مچھلی والے کی طرح نہ بنو!''

دیکھیے بموقع خفگی چھوٹے کا نام نہ لینا کچھ بُرا نہیں، بلکہ مستحسن ہے ۔ کہئے! اب بھی نام نہ لینے کی وجہ عداوت کہو گے یا ہماری توجیہ قبول کرو گے۔

من نگویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بیں وکار آساں کن

---

[1] صحيح البخاري:كتاب الوضوء،باب الغسل والوضوء في المخضب والقدح والخشب والحجارة، رقم الحديث(١٩٥)، صحيح مسلم:كتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له من مرض وسفرو غيرهما من يصلي بالناس......،رقم الحديث(٤١٨)

[2] القلم: ٤٨

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت یہ بھی بہتان ہے کہ انھوں نے کتے کا نام عبدالرحمٰن اس لئے رکھا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل کا نام عبدالرحمٰن بن ملجم تھا۔ ہم نے کسی معتبر کتاب میں نہیں دیکھا، رافضی حوالہ بتانے میں معتبر نہیں، کئی مواقع پر ہم نے اُس کے حوالے صحیح نہیں پائے۔

مصنف کا رافضیانہ عقیدہ

ص ۱۰۵ پر معترض نے صحیح بخاری کی ایک روایت لکھی ہے، جس کا حوالہ غلط ہے، مگر حدیث بے شک صحیح ہے، اُس میں ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ میں مدینہ کے مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ فتنہ ادھر سے اُٹھے گا۔ آپ نے مشرق کی طرف ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ اس طرف سے فتنہ اُٹھے گا۔ اُسی طرف عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ بھی تھا۔ اس لئے راوی نے اپنے بیان میں بغیر کسی بری نیت کے یہ لفظ کہہ دیا کہ

«أشار نحو مسكن عائشة »[1]

''یعنی عائشہ کے مکان کی طرف اشارہ فرمایا''۔

جس سے مقصود خاص وہ مکان نہ تھا، بلکہ مشرقی جانب مراد تھی[2] کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسکن تو خود حضور ﷺ کا گھر تھا، جہاں میاں بیوی کو رکھتا ہے، وہ مکان دراصل میاں کا ہوتا ہے۔ پھر اگر بقولِ اعداء مخصوص طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مکان مراد ہوتا، تو معنی یہ ہوتے کہ حضور ﷺ خود اپنے گھر سے فتنہ اُٹھنے کی بابت فرما رہے ہیں، اس روایت پر صاحب ''ھفوات'' اعتراض کرتا ہے۔ اعتراض کیا ہے سارا رافضیانہ غصہ نکالتا ہے، اُس کے اصل الفاظ یہ ہیں:

''اگر رسول اللہ کی واقعی یہ پیشین گوئی ہے، تو اُس کی صحت کی تاویل میں زہر

[1] صحيح البخاري: كتاب الخمس، باب ماجاء في بيوتِ أزواج النبي ﷺ ومانسب من البيوت إليهن......، رقم الحديث(٢٩٣٧)

[2] چنانچہ اس کی تصریح حدیث کے اندر ہی موجود ہے: "يشير إلى المشرق" (صحيح البخاري: كتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، رقم الحديث(١٣٠٥)

خورانی رسول، و احراق بیت فاطمہ ،وقتل حضرت محسن ،وضبطی میراثِ پیغمبر وغصب فدک، وخمس وخیبر وغیرہ، بہتان در ترک وصیت رسول [1] ،وقتل حضرت عثمان، وقوعہ جنگ جمل وغیرہ وغیرہ جناب عائشہ کی نسبت ہوسکتی ہے ۔لیکن کیا فائدہ ؟اگرچہ چندصدی قبل ایسے لغویات حصول سلطنت کے لئے بڑا قوی ذریعہ تھے ۔لیکن اب یہ کھوٹے سکہ کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتے ۔مناسب ہے کہ ان چنگاریوں کو آب تدبیر سے بجھایا جائے“

(ھفوات، ص:۱۰۵، طبع دوم، ص:۹۳، طبع اول ندارد)

اہلحدیث

یہ سب شیعہ کے بہتانات شیعہ ہیں، جن کے جوابات مستقلاً ومنفرداً لگ الگ دیئے جاچکے ہیں، ان بہتانوں کی حقیقت معلوم کرنے کو محسن کے قتل کا ذکر عجیب مثال ہے۔

شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سخت مارا، یہاں تک کہ ان کا حمل گر گیا، جولڑکا تھا اور اُس کا نام محسن تھا۔

عجیب بات ہے کہ حمل ساقط ہو اور سقوط کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ یہ لڑکا تھا، ممکن ہے ۔لیکن جب تک بچہ پیٹ کے اندر ہے،کون بتا سکتا ہے کہ کیا ہے؟ مومن مسلمان کے لئے خدا کا فرمان ایسا کہنے سے مانع ہے،غور سے سنیے:

﴿ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ﴾ [2]

”جو کچھ رحموں کے اندر ہے، اُسے خدا ہی جانتا ہے!“ [3]

---

[1] رسول ﷺ پر وصیت نہ کرنے کا بہتان

[2] لقمان: ٣٤

[3] یاد رہے آج ایسے طبی آلات موجود ہیں جن سے جنین کے متعلقہ بعض احوال معلوم ہو سکتے ہیں، لیکن ان کی ایک حد ہے۔ نطفہ Fertilisation کے بعد تکوینی عمل سے گزرتے ہوئے واضح شکل و شباہت اختیار کر لیتا ہے اور تناسلی اعضاء مکمل ہو جاتے ہیں،تو اس وقت الٹرا ساؤنڈ وغیرہ سے بچے کی جنس کا اندازہ لگایا جاتا ہے، تاہم یہ حتمی نہیں جب کہ اللہ رب العزت کو پہلے ہی علم ہے اور ==

پھر ان باہر والوں کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ لڑکا ہے اور اُس کا نام محسن ہے؟ حالانکہ پیدائش سے ساتویں روز نام تجویز ہوتا ہے۔ [1] لیکن شیعہ گپ دیکھیے کہ بچہ ابھی پیٹ میں ہے، مگر نام اُس کا پہلے ہی تجویز ہو چکا۔ کیا ٹھیک ہے ؎

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا [2]

ألا یا أیها الساقي أدِر کأسا و ناولها

مصنف رافضی العقیدہ ہے

بار بار ذکر ہوا ہے کہ کتاب "ھفوات المسلمین" ایک رافضی کی تصنیف ہے، جس میں وہ دانش مندی سے اپنا رفض چھپا کر روایاتِ سنّیہ کی توہین کرتا ہے۔ مگر چونکہ مصنف مذکور کی روش بہت بے اصولی ہے، اس لئے لاہور کا "شیعہ" اخبار بھی اُس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ شیعہ نہیں، بلکہ چشتی یعنی سنّی ہے (۲۴ فروری)

خلفائے راشدین کی توہین

اخبارِ شیعہ کا یہ فتویٰ ماننے میں ہمارا کوئی حرج نہیں تھا، مگر کیا کریں مصنف کی تحریرات ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ ہم اُس کو شیعہ بلکہ رافضی کہیں، غور کیجئے! وہ ایک دوسری کتاب میں خلفائے راشدین کی نسبت ان لفظوں میں اظہارِ خیال کرتا ہے:

قولہ: رسول اللہ کی آنکھ بند ہوتے ہی خلفائے راشدین جو تختِ حکومت پر

= اس کا علم قطعی ہے، ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثٰى وَ مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَ مَا تَزْدَادُ وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ﴾ (الرعد:۸)

[1] سنن أبي داود: کتاب العقیقة، (۲۸۳۷)، سنن الترمذي: أبواب الأضاحي، باب من العقیقة (۱۵۲۲). لیکن ولادت کے دن ہی بچے کا نام رکھا جا سکتا ہے، دیکھیں: صحیح البخاري: کتاب العقیقة، باب تسمیة المولود غداة یولد لمن لم یعق عنه وتحنیکه، رقم الحدیث (۵۱۵۰)، صحیح مسلم: کتاب الآداب، باب استحباب تحنیك المولود عند ولادته، رقم الحدیث (۲۱۴۵) نیز دیکھیں: فتح الباري: ۵۸۸/۹.

[2] سعدی نے زلیخا کے متعلق کیا خوب کہا ہے، اے پلانے والے، جام کو گھما اور اس کو تھما دے۔

رونق افروز ہوئے، وہ خاندان رسول کے سوا بے حد رحم دلی اور ہمدردی اور عدل گستری سے پیش آتے تھے۔"

(رسالہ أغلاط المسلمین ص: ٦٠ ،مندرجه إصلاح نمبر ١٢،جلد: ٣٠)

اہلحدیث

ناظرین !اس عبارت میں مصنف نے خلفائے راشدین کی جس خوبی سے تقیہ کے رنگ میں توہین کی ہے، کسی سُنّی کا کام نہیں ، ہرگز نہیں ، اس کے علاوہ شیعوں کا ذمہ دار رسالہ" إصلاح " مصنف کے اسی قسم کے مضامین کو بڑی عزت سے شائع کرتا ہے،تو پھر اس کے رافضي ہونے میں کیا شبہ ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حق مہر

کتاب" هفوات "طبع سوم کے ص:١٠٦ پر ابن ماجہ کی ایک روایت نقل کی ہے جس کا مضمون ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مہر پچاس درہم کے انداز کا تھا،[1] حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جو قرب اور محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی ،اُس پر نظر کر کے نیز اُس حالت پر جو بوقتِ نکاح مکہ معظّمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی حالت تھی ،اُس پر نظر کر کے اتنا کم مہر مقرر ہونا کسی قسم کا مقام اعتراض نہیں ،بلکہ موجب تحسین ہے ،مگر صاحبِ

---

[1] سنن ابن ماجه: كتاب النكاح،باب صداق النساء،رقم الحديث (١٨٩٠)مسند علي بن الجعد: ٣٠١،الطبقات الكبرى: ٥٩/٨،تاريخ ابن معين للدوري: ٣٠٨/٣،تهذيب الكمال: ٣١٨/٣،اس کی سند میں "عطية بن سعد العوفي" راوی "ضعيف ومدلس" ہے.حافظ بوصیری فرماتے ہیں:"في إسناده عطية العوفي ضعيف". نیز دیکھیں:الجرح والتعديل: ٣٨٢/٦،الكامل لابن عدي: ٣٦٩/٥،الضعفاء لابن حبان: ١٧٦/٢،الضعفاء للعقيلي : ٣٥٩/٣،الضعفاء للنسائي: ٨٥،تهذيب الكمال: ١٤٥/٢٠،تهذيب التهذيب: ٢٠٠/٧،نیز اس کی سند میں "فضيل بن مرزوق الأغر الرقاشي" ہے ،امام ابن حبان فرماتے ہیں:"منكر الحديث جدا كان ممن يخطىء على الثقات ويروي عن عطية الموضوعات وعن الثقات الأشياء المستقيمة فاشتبه أمره والذي عندي أن كل ما روى عن عطية من المناكير يلزق ذلك كله بعطية ويبرأ فضيل منها......"(الضعفاء: ٢٠٩/٢،تهذيب التهذيب: ٢٦٨/٨)

''هفوات'' کو ہر جگہ اُلٹی ہی سوجھتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''ہم کو اس حدیث کے لکھنے کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ بظاہر نہ اس میں جناب ام المؤمنین کی توہین ہے اور نہ کوئی بے حیائی کی بات، لیکن غور طلب رواۃ کی عداوت کہ جب اوپر کی حدیث پانچ سو درہم والی روایت ہو چکی تھی، تو متاعِ بیت پر جناب عائشہ کا نکاح ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا رسول اللہ اس زمانہ میں محتاج تھے؟ کیا حضرت ابوبکر ایسے ادنی درجہ کے آدمی تھے کہ بارہ تیرہ ہی پر بیٹی کا وبال ٹالا، افسوس کہ حضرات اہل سنت کو محب ام المومنین ہونے کا دعویٰ تو ہے، لیکن باتیں وہ لکھتے ہیں کہ جن سے جناب ممدوحہ کی تنقیص ہو۔ ہمارے نزدیک اسے خارج کیا جائے تو بہتر۔''

(هفوات، ص:۱۰۷، طبع دوم، ۹۴، ۹۵، طبع اول، ص:۵۴)

اہلحدیث

ہم معترض صاحب کی اس قسم کی بے معنی باتوں کا جواب کہاں تک دیں، بقول شیخ سعدی مرحوم:

گل ست سعدیؔ ودر چشم دشمناں خارست

حرمات نبویہ کی ہر اچھی بات بھی جس کو بُری معلوم ہو، اُس کا علاج بجز اُس کے کیا کہ وہ دوا کرے یا دُعا،

معترض کی بہتان تراشی

صفحہ ۱۰۷ سے ص ۱۱۹ تک ایک عجیب بہتان اور لغو بکواس درج ہے، جو اس دعوے کی مثال ہے جو کوئی دماغ چرا کہے ''دو دونے پانچ'' پھر اس دعوے پر ایک، دو، پچاس، سو دلائل لکھ ڈالے اور اپنا کامیاب ہونا سمجھے، تو ہمارا جواب صرف اتنا ہوگا

ایں خیال ست ومحال ست وجنوں [1]

---

[1] یہ محض خیال ہے، اور ناممکن ہے اور پاگل پن ہے

ان صفحات میں کسی دوسرے رافضی کے کلام کی شکل میں اپنی اور سارے مومنوں کی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متعہ کرانے کا ثبوت دیا ہے، خام خیال ناظرین کے دلوں میں شبہات ڈال کر پھر اُن شبہات کا رد بھی کرتے ہیں، جو مصنف ہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے، لکھتے ہیں:

''کتب فریقین سے ثابت ہے کہ جناب ام المومنین کا عقد جب رسول اللہ سے ہوا ہے، تو آپ کی عمر چھ سال کی تھی اور زفاف کے وقت نو سال کی۔ اور جانبین میں متعہ کے لیے سن مشتہات ہونا شرط عقلی ہے اور جناب عائشہ دونوں وقتوں میں پوری بالغہ نہ تھیں اور سن غیر مشتہات میں بولایت صرف عقد معروف ہوسکتا ہے، مگر متعہ نہیں ہوسکتا، اس میں ولی کی مرضی سے زیادہ عورت کی مرضی ہونی چاہیے۔ لہٰذا حضرات شیعہ کے جملہ قیاس واہی اور لغو۔'' (ص۱۱۹)

دفع وہم

انہی صفحات میں شیعہ قائل نے ایک حدیث نقل کر کے ثابت کرنا چاہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دوستی ومحبت نہ تھی، چنانچہ الفاظ شیعہ یہ ہیں:

''ہر صحاح وغیر صحاح کے باب فضیلت ابی بکر میں یہ حدیث موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لو كنت متخذاً خليلا لاتخذت أبا بكر)) [1]

''اگر میں کسی کو اپنا دوست بناتا، تو ابوبکر کو بناتا''

اس سے معلوم ہوا کہ جناب ابوبکر میں دوستی کی قابلیت ہوگی، مگر باوجود قابلیت کے

[1] صحيح البخاري: أبواب المساجد، باب الخوخة والممر في المسجد، رقم الحديث (٤٥٥)، صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة رضي الله عنهم، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم الحديث (٢٣٨٢)

بھی دوست نہ بنایا (ص:۱۱۱)

اہلحدیث

اگر یہ سچ ہے کہ معترض وہی لکھتا ہے جو اُس کے دل و دماغ میں ہے، اُس میں کسی قسم کا تصنع نہیں کرتا، تو اُس کے حق میں یہ کہنا موزوں ہے ؎

تو آشناء حقیقت نئ خطا اینجاست

"خلیل" کے معنی ہیں وہ دوست جس کی محبت سب سے بالا تر ہو، ان معنی سے ہر مومن کا عموماً اور آنحضرت ﷺ کا خصوصاً "خلیل" اللہ ہی ہے، دوسرا کوئی نہیں، کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنی محبت کے متعلق فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ [1]

"مومنوں کو سب سے زیادہ محبت خدا کے ساتھ ہوتی ہے"

چنانچہ مذکورہ روایت متفق علیہ (بخاری یا مسلم کے) طریق سے یوں آئی ہے:

«لو كنت متخذا خليلا غير ربي لاتخذت أبا بكر خليلا» [2]

(مشكوٰة، باب مناقب أبي بكر)

"آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اگر میں اپنے پروردگار کے علاوہ کسی انسان کو خلیل بناتا، تو ابوبکر کو بناتا"

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ابوبکر کا درجہ اتنا بڑا تھا کہ اگر الٰہی محبت کی وحدت مانع نہ ہوتی، تو ابوبکر کو الٰہی محبت کے ساتھ جگہ ملتی، مگر چونکہ مرتبہ الٰہی اپنے ساتھ کسی قسم کی شرکت نہیں رکھتا، اس لئے اس کے ساتھ ہی فرمایا:

---

[1] البقرة: ١٦٥

[2] صحيح البخاري: كتاب فضائل الصحابة، باب قول النبي ﷺ "سدوا الأبواب إلا باب أبي بكر"، رقم الحديث (٣٤٥٤)، صحیح مسلم کے اندر یہ حدیث موجود ہے، لیکن وہاں "غیر ربی" کے الفاظ موجود نہیں ہیں، جیسا کہ مشكاة المصابيح [٣/١٠٣١ (٦٠١٠)] سے بھی ظاہر ہے. واللہ أعلم!

《لكنه أخي وصاحبي》.[2] (مسلم)

"مگر ابوبکر میرا بھائی اور میرا ساتھی ہے"

بتایئے یہ روایت ابوبکر کی شان عالی بتاتی ہے یا کم؟

شیعہ دوستو! صدیقوں کی مخالفت کا انجام اچھا نہیں، جانتے ہو۔

"من لم يصدقه فلا صدقه الله"

"جو ابوبکر کو سچا نہ جانے، خدا اُس کو سچا نہ ٹھہرائے گا"

کس کی شان میں ہے؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی توہین:

ص۱۱۲ سے ص۱۱۸ تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بابت بدگوئی کی ہے کہ وہ مخلص نہ تھے، نہ آپ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کبھی ایک پیسہ بھی خرچ کیا۔

"مدارج النبوت" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہجرت کے روز ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ آنحضرت ﷺ کو پیش کیا تھا۔ اُس کی قیمت دوصد درھم تھی، آنحضرت ﷺ سے نو سو درھم وصول کیے تھے، حالانکہ مدارج کی عبارت اصلی الفاظ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اخلاص مندی اور جنابِ رسالت مآب ﷺ کی قدر دانی کا اظہار کرتی ہے۔ الفاظ مذکورہ یہ ہیں:

"ابوبکر را دو شتر بود کہ بچہار صد درم و درروایتے بہشت صد خریدہ و مدت چہارم ماہ آں را علف دادہ فربہ ساختہ نگاہ داشتہ بود ہر دو پیش آورہ تا یکے را آنحضرت قبول فرمائند۔ فرمود قبول کردم لیکن بشرط ابتاع پس بہ نہ صد درم آں ناقہ را از ابوبکر بخرید۔" (جلد دوم، ص:۸۱)

"یعنی حضرت ابوبکر دو اونٹ چار سو درھم کے ایک روایت کے بموجب آٹھ سو درھموں سے خریدے تھے اور چار مہینے اُن کو چارہ کھلا کر خوب موٹا کر کے

---

[1] صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم الحديث (٢٣٨٣).

محفوظ رکھا تھا، اُن دونوں اونٹوں کو آنحضرت کے حضور پیش کیا، تاکہ آپ اُن میں سے اپنے پسندیدہ ایک کو قبول فرمائیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے قبول کر لیا، مگر بیع کے ساتھ۔ پس نوسو درھموں کے عوض آپ نے اس کو خرید کیا۔"

یہ عبارت صاف بتارہی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کمال اخلاص مندی سے بغرض سفر اونٹ پرورش کیے اور موقع سفر پر بغیر کہے کسی کے خود نذر کیے تھے، مگر حضور ﷺ نے ازراہ شفقت خود قیمت پر لیے، نہ نوسو پر لیے یا ہزار پر جب سرکار کسی کو دینے ہی پر آئے، تو پھر تعداد کیا جتنا جی چاہا دے دیا۔ سوال تو یہ ہے کیا ابوبکر نے بیع کے لیے اونٹ پیش کیے تھے؟ اس کا جواب صاف الفاظ میں ہے کہ نہیں، بلکہ قبول کرنے کو پیش کیے تھے، لیکن سرکار نے اُن کو داموں سے لیا۔ تاکہ اس سفر ہجرت میں جو فی سبیل اللہ ہے، کسی بندے سے استمداد نہ ہو، چنانچہ شیخ عبدالحق صاحب نے اس مقام پر خود یہی وجہ بتائی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت:

ابوبکر نے کہاں تک حضور ﷺ کی خدمت اور کہاں تک فدائیت کا ثبوت دیا، اس کا اظہار ہم اپنے الفاظ میں نہیں کرتے، بلکہ خود آنحضرت ﷺ کے الفاظ پیش کیے دیتے ہیں، جو یہ ہیں:

«إن من أمنّ الناس عليّ في محبته وما له أبوبكر»[1] (متفق عليه)

"یعنی سب لوگوں میں سے بڑا احسان کرنے والا مجھ پر صحبت کی وجہ سے اور مال کی وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے۔"

بتایئے! اس سرکاری بیان پر بھی کسی مومن کو شک وشبہ کی گنجائش ہوسکتی ہے؟

[1] صحيح البخاري: كتاب فضائل الصحابة، باب هجرة النبي ﷺ وأصحابه إلى المدينة، رقم الحديث (٣٦٩١)، صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر رضي الله عنه، رقم الحديث (٢٣٨٢)

اسی ضمن میں معترض لکھتا ہے:

''حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ زمانہ صحبت رسول میں کسی قوم یا قبیلہ کے امام صلوٰۃ نہیں بنائے گئے۔ نہ حاکم بنائے گئے۔ ثابت ہوا کہ ان میں ان کاموں کی قابلیت نہ تھی، یا رسول اللہ کو ان کے ایمان و دیانت پر بھروسہ نہ تھا، جو ہمارا یہ کہنا غلط ہے، تو سنیو! اپنی کتب معتبرہ میں دکھاؤ کہ رسول اللہ نے اپنے زمانہ صحبت میں حضرت ابو بکر کو کہاں قاضی یا حاکم یا امام صلوٰۃ بنایا؟''

(طبع دوم، ص:۱۱۵، طبع اول، ص:۱۰۳)

ناظرین! مصنف صاحب کی چالاکی دیکھیے کہ زمانہ صحبت کی بابت پوچھتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے آخری لمحوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امام صلوٰۃ بنایا تھا، کیا ہی خدائی حکمت ہے، اگر زمانہ صحت میں بنائے گئے ہوتے، تو بدگمانوں کو بدگمانی کرنے کا امکان ہوتا کہ اُس وقت ابو بکر مومن صاحب دیانت تھے، مگر آخرت زمانہ رسالت میں ایسے ویسے ہو گئے، خدا نے ان سب بدگوؤں کی بدگوئی بند کر دی، کیونکہ آخری وقت میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امام بنایا،[1] تو اب کسی کی بدگوئی کا کیا امکان رہا۔

ہاں یہ خوب کہی کہ قبیلہ کا امام یا حاکم نہ بنایا، بے شک نہ بنایا، یہ تو ایسا سوال ہے جو کوئی وائسرائے بہادر کی قابلیت پر اعتراض کرے کہ اس نے کبھی تحصیلداری یا ڈپٹی کلکٹری کا کام نہیں کیا، نہ ضلع کا جج رہا۔ شاید اس لئے کہ بادشاہ کو اس کی دیانت اور لیاقت پر بھروسہ نہ ہوگا۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکر دربار رسالت میں وزیر اور مشیر خاص تھے، کسی قبیلہ کی ریاست یا حکومت کو کیسے بھیجے جاتے، جبکہ ہر وقت اُن کی مصاحبت اور نیک مشورہ کی

[1] صحيح البخاري: كتاب الجماعة والإمامة، باب حد المريض أن يشهد الجماعة، رقم الحديث (٦٣٣)، صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر، رقم الحديث (٤١٨)

ضرورت رہتی تھی۔

شیعہ دوستو! ابوبکر کی دیانت، امانت اور صداقت کا ثبوت اس سے مزید کیا چاہتے ہو کہ فریقین (سنّی وشیعہ) کی کتابوں میں اُن کو "صدیق" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، سنّیوں کی کتابیں تو اس لقب سے بھری پڑی ہیں، لطف یہ ہے کہ کتب شیعہ بھی اس لقب "صدیق" سے خالی نہیں، سنو!

«قال رسول ﷺ: لأبي بكر، أنت الصديق»

(تفسیر صافی للشیعہ، زیر آیت: لا تحزن)

"آنحضرت ﷺ نے ابوبکر کو فرمایا تو صدیق ہے۔"

ایک تو صدیق! دوسرے ناناجان، پھر اُن پر افتراء اور بہتان، کیا یہی ہے نشان ایمان!
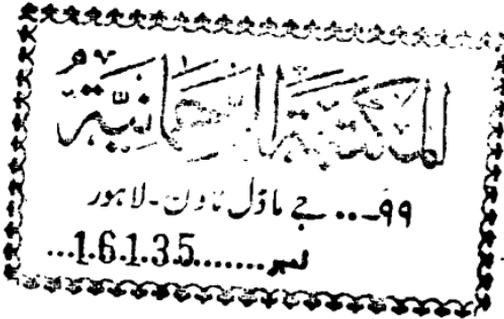
دوامِ حدیث مرحوم حافظ صاحب کی نہایت معرکۃ الآراء علمی خدمت ہے، جو اپنے باب میں اپنی مثال آپ ہے، یہ اہل علم کے لئے بیش قیمت علمی تحفہ اور اہل ایمان کے لئے شفاء الصدور ہے، حقیقت یہ ہے کہ کتاب کا ہر صفحہ علم کا بحرِ زخار ہے۔ دفاع عن السنۃ کے باب میں یہ ایک انتہائی قابل قدر دستاویز ہے، اس کے مؤلف جہاں اپنے عہد میں طائفہ منصورہ کے سرخیل تھے، وہاں حدیث اور علوم حدیث میں انہیں بلاشک مجدد کا مقام حاصل تھا۔ کتاب وسنت کی نشر واشاعت، تعلیم وتدریس، فہم و معرفت، بدعات کی اصلاح اور حدیث وسنت کے دفاع کے اعتبار سے وہ نادر روزگار اور نابغہ روزگار شخصیت تھے، ان کے عہد میں ان جیسا کسی نے کوئی دوسرا دیکھا ہوگا اور نہ ہی انہوں نے خود اپنے جیسا کوئی دیکھا ہوگا۔

بارگاہ الٰہی میں التجا ہے کہ جیسے اس نے مؤلف کی شخصیت کا فیضان علم عام کیا ہے، ویسے ہی ان کی اس کتاب کو بھی شرف قبولیت سے نوازے اور ان کی درجات کی بلندی کا باعث بنائے، اس کی بدولت امت کے دین کے بارے میں فہم وشعور میں استقامت پیدا فرمائے، اہل ایمان کے یقین میں اضافہ کا ذریعہ بنائے اور اہل تشکیک کی ہدایت کا سامان بنائے۔ مصنف کے اخلاص وللّٰہیت اور حسن عمل کے پیش نظر دربار الٰہی سے یہ امید بر آنے کی توقع رکھی جاسکتی ہے، وماذلك على الله بعزيز

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر حفظہ اللہ